نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پر مسافر پریشان بیٹھے ہیں

ماہنامہ

نقوشِ راہ

AUGUST 2022

اسلام میں آزادی کا تصور

- ★ اشوک کے شیروں سے آریہ کے نرسنگ پران کی طرف
- ★ اسلام کے خلاف ہالی ووڈ کی تصویری جنگ
- ★ سفرِ ہجرت: اعلیٰ منصوبہ بندی اور کامیاب حکمت عملی
- ★ نبوی درسگاہ کا تصور عصرِ حاضر میں
- ★ آبگینوں پر توجہ دیں

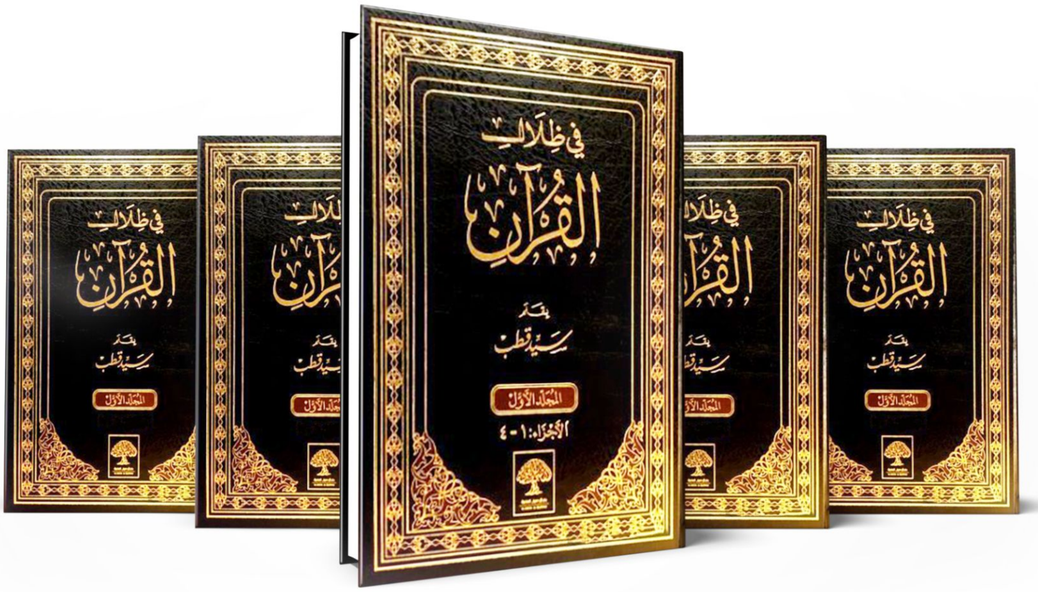

فی ظلال القرآن

مصری عالم دین سید قطبؒ شہید کے ذریعہ زنداں (جیل) میں لکھی جانے والی عربی زبان کی مایاناز تفسیر
کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ مولانا سید حامد علیؒ صاحب / مولانا مسیح الزماں فلاحی ندوی صاحب

اب 11 جلدوں میں شاندار طباعت کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے۔

- شُستہ ، شگفتہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر
- علمی ، فکری اور سائنٹفک تفسیر- دعوتی تربیتی اور انقلابی تفسیر- وجدانی اور ادبی تفسیر
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے بہترین تفسیر
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج و زوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو
- اسلامی جماعت کے کارکنان کیلئے بہترین مشعل راہ
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت اور پر کشش ٹائٹل

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کیلئے ضرور منگائیں۔

ORDER NOW

اپنا آرڈر بک کرائیں

موبائل 9899693655
ای میل gpddelhi2018@gmail.com

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

ماہنامہ

نقوش راہ

IYF
Islamic Youth Federation

اگست 2022ء، ذی الحجہ/محرم الحرام، ۱۴۴۳/۱۴۴۴ھ

جلد: 05 شمارہ: 08

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

فہرست مضامین

اداریہ	معاذ احمد جاوید	04
درسِ قرآن	عبید الرحمٰن	05
درسِ حدیث	اسامہ احسن صدیقی	07
اشوک کے شیروں سے آریہ کے نرسنگھ پران کی طرف...	احمد نور عینی	09
G-7 دنیا کے سات بڑوں کا اجلاس	مسعود ابدالی	12
اسلام کے خلاف ہالی وُڈ کی تصویری جنگ	ڈاکٹر سلیمان صالح	15
مسلم نوجوانوں کے لیے آئیڈیل شخصیات	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	18
آزادی کا اسلامی تصور	اسامہ عظیم فلاحی	21
سفرِ ہجرت: اعلیٰ منصوبہ بندی اور کامیاب حکمت عملی	اعیان شیخوپوری	24
نبوی درسگاہ کا تصور عصر حاضر میں	قدسیہ صباحت	26
اسوۂ ابراہیمی کا پیغام مسلمانوں کے نام	محمد مدثر ایچولی	28
اصلی کامیابی اور اس کا معیار	شاہد علی پوسد	32
بک ریویو: اسلام کا نظام امن و جنگ	ابوالفیض اعظمی	34
گوشۂ خواتین: آبگینوں پر توجہ دیں	ثمرہ یعقوب فلاحی	38
گوشۂ اطفال: اسلام کے جاں نثار: حضرت ابودجانہؓ	مرزا اسلم بیگ	41
اقبالیات: الہام اور آزادی	شیر خالد	42

چیف ایڈیٹر
معاذ احمد جاوید

ایڈیٹر
ڈاکٹر محمد مبشر

معاون ایڈیٹر
اُسامہ عظیم فلاحی

مجلس ادارت
- پرویز نادر
- فیض الرحمٰن
- صابر محفوظ فلاحی

سرکولیشن منیجر
پرویز نادر

زرتعاون
فی شمارہ: -/20
سالانہ: -/220
Current A/c Name: Nukush E Rah
A/c No : 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press, Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

اداریہ

نماز ایک اہم رکن دین ہے۔ چنانچہ معمولی دینی حس رکھنے والا شخص بھی جان بوجھ کر نماز ترک نہیں کرنا چاہتا۔ اور اگر کسی شخص کے سامنے اس کے تمام فیوض و برکات ہوں تو وہ اس کو ہر حال میں دانتوں سے پکڑ کر رکھے گا۔ نماز کے متعلق تفصیلی ذکر تو اس مقام پر ممکن نہیں حالانکہ چند باتوں پر نگاہ ڈالی جاسکتی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر قرآن نے اہل جنت اور اہل جہنم کا مکالمہ پیش کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ، ''جو جنتوں میں ہوں گے وہاں وہ، مجرموں سے پوچھیں گے ''تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟'' وہ کہیں گے ''ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے۔'' (المدثر) اسلام کے مطابق جنت ابدی کامیابی اور جہنم دائمی رسوائی کا مقام ہے۔ اور مذکورہ آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز نیکوکاروں اور مجرموں کے بیچ وجہ امتیاز ہے۔ صرف اتنی سی بات جان لینے کے بعد ایک عقل مند انسان کسی حالت میں ترک نماز کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اگر ہم نماز کے اس مقام کو ذہنوں میں تازہ رکھیں تو ان شاء اللہ، نماز کے متعلق ہمارا رویہ تبدیل ہوگا۔

نماز کے متعلق اس ملک میں ایک نئے سرے سے بحث چل پڑی ہے۔ موجودہ اقتدار نے پہلے نماز جمعہ اور عیدین کے متعلق کچھ پابندیاں لگائیں اور مسلمانوں کو یہ احساس دلایا کہ تمہارے وہ دینی مراسم بھی جو خالص انفرادی نوعیت کے ہیں ہمارے ہی مرہون منت ہیں۔ ہم جب چاہیں اور جیسے چاہیں ان کو ریگولیٹ کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں حالیہ تنازعہ بھی منظر عام پر آیا۔ گزشتہ ماہ لکھنؤ کے لولو مال میں چند لوگوں کے نماز ادا کرنے کی ویڈیو نشر ہوئی۔ ویڈیو جاری ہوتے ہی ایک بحث نے طول پکڑ لیا۔ اسلام اور شعائر اسلام سے بغض رکھنے والا سنگھی ٹولا کھل کر میدان میں آگیا اور اس کے ایک سنگٹھن نے اعلانیہ کہا کہ جہاں نماز ادا کی گئی ہے ہم وہاں 'ہنومان چالیسہ' کا پاٹھ کریں گے۔ پھر خبر ملی کی کچھ شر پسند وہاں ''ہنومان چالیسہ'' پڑھنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد انتظامیہ نے چند لوگوں کو پکڑ کر یہ خبر دی کی نماز پڑھنے والوں اور ''ہنومان چالیسہ'' کا پاٹھ کرنے والوں کو مذہبی منافرت پھیلانے کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا ہے۔ ایک خبر یہ بھی آئی کہ مال میں نماز سازشاً پڑھی گئی تھی تاکہ اس طرح کی بحث کا آغاز کیا جاسکے اور انتشار پھیلایا جاسکے۔ ان سب بحثوں میں یہ بات ابھر کر آئی کہ مقتدرہ عوامی طور سے نماز پڑھنے پر قدغن لگانا چاہ رہی ہے۔ کیونکہ اس پوری بحث کے بعد سنگھی ٹولے نے سوشل میڈیا پر مختلف مقامات پر ادائیگی نماز کی ویڈیو شائع کرتے ہوئے اس کو ایک اہم خبر بنا کر پیش کیا۔ ان تمام خبروں کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ عوام میں نماز پڑھ کر ان لوگوں نے کسی مجرمانہ فعل کا ارتکاب کیا ہو۔

نماز کے متعلق شیطان کے ایجنٹس کا رویہ قرآن یوں بیان کرتا ہے کہ ''شیطان تو چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟'' (المائدہ) یعنی شیطان کے ایجنٹس کو تو نماز سے بیر ہے اور وہ ہر حال میں اسے روکنا چاہتے ہیں۔ بلکہ نماز کیا اذان کے متعلق بھی ان کا رویہ ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن فرماتا ہے ''جب تم نماز کے لیے منادی کرتے ہو تو وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس سے کھیلتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔'' (المائدہ) کیا نماز اور اذان کے متعلق قرآن کا یہ بیان آج ان باطل پرستوں پر صادق نہیں آتا؟ پتہ یہ چلا کہ ان تمام کوششوں کے پیچھے جو نفسیات کارفرما ہے قرآن نے اس کی صحیح عکاسی کی ہے۔ اس نقطہ نظر کا نتیجہ یہ ہونے والا ہے کہ ملّا کو اب تک ہند میں جس سجدہ کی اجازت تھی وہ بھی اس سے سلب کرلی جائے گی۔ حالانکہ اقبال کے مطابق اس اجازت کے باوجود وہ اسلام پر مکمل عمل کرنے کے لیے آزاد نہ تھا۔ اور نتیجتاً ذکرو فکر صبح گاہی میں مست ملّا اقبال کی خواہش کے مطابق رسم شبیری ادا کرنے کے لیے خانقاہوں سے کبھی نہ نکلا۔ مست حال ملّا کے اسی رویہ نے بھارت میں اسلام کی بلندی کی راہیں مسدود کردیں۔

ہنگامہ آرائی اور عمل ورد عمل کے رویہ سے ہٹ کر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اصل مسئلہ کو سمجھیں۔ اتنے منظم حملوں کے باوجود اگر ہم یہ سمجھ نہ سکیں کہ یہ پورا معاملہ اسلام اور اسلامی شناخت کو بیخ و بن سے کھرچ کر پھینک دینے کا ہے، تو افسوس ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے بعد ہم کو عزم مصمّم کرنا ہوگا کہ باطل کی لاکھ کوشش کے باوجود ہم ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ہم کو بتانا ہوگا کہ ہم نماز اس لیے نہیں ادا کر رہے تھے کہ تم نے اس کی چھوٹ دے رکھی تھی۔ اور اب ذرا سختی کیا ہوئی کہ بغلیں جھانکنے لگے۔ ہم کو اللہ تعالیٰ کے حکم کو سامنے رکھنا ہوگا، جس نے جنگ اور امن ہر حال میں ہم پر نماز کی ادائیگی فرض کی ہے۔ قرآن کا بیان ہے ''بدامنی کی حالت ہو، تو خواہ پیدل ہو، خواہ سوار، جس طرح ممکن ہو، نماز پڑھو اور جب امن میسر آجائے، تو اللہ کو اس طریقے سے یاد کرو، جو اس نے تمہیں سکھا دیا ہے، جس سے تم پہلے ناواقف تھے۔'' (البقرہ) اور یہی ہمارے اسلاف کا طریقہ بھی تھا کہ **آگیا عین لڑائی میں جو وقت نماز : قبلہ رُو ہو کر زمیں بوس ہوئی قوم حجاز**۔ لیکن نماز صرف چند ارکان کی ادائگی کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ نماز مومن کی معراج ہے۔ نماز بندہ اور رب کے رابطہ کا عمل ہے۔ آج یہ نماز اور اس کی کیفیت ہم سے کھوگئی ہے۔ آج نماز، روزہ، قربانی و حج سب باقی ہیں لیکن اس کی اصل روح معدوم ہو چکی ہے۔ ان حالات سے ایک بہت ہی مثبت پہلو یہ اجاگر ہوسکتا ہے کہ ہم صرف نماز کو وقت پر اور تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنے پر ہی مصر نہ ہوں، بلکہ اس کی روح کو دریافت کرنے کی بھی کوشش کریں۔ کل اسی نماز کو ادا کرنے والے چار چار برِّ اعظموں پر حکمرانی کیا کرتے تھے اور آج ہم کیسی روسیاہیاں جھیل رہیں ہیں۔ آج اُسی نماز اور اُسی سجدہ کو دریافت کرنے کی ضرورت ہے جس کے بارے میں اقبال فرماگئے ہیں کہ

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی   اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

(معاذ احمد جاوید)

عبیدالرحمٰن ابوحذیفہ

بِسمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۔ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۔ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۔ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (الکہف: ۱۰۲-۱۱۰)

ترجمہ: ”کیا ان کافروں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں گے، ہم نے کافروں کی ضیافت کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ کہو کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ تباہ لوگ کون ہیں؟ یہ وہ ہیں جن کی دنیوی زندگی کی تمام ترکوششیں بے کار ہوگئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے کفر کیا، اس لیے ان کے اعمال غارت ہوگئے۔ پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔ حال یہ ہے کہ ان کا بدلہ جہنم ہے کیوں کہ انھوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو مذاق بنایا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے کام بھی اچھے کیے یقیناً ان کے لیے فردوس کے باغات کی مہمانی ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے جس جگہ کو بدلنے کا کبھی بھی ارادہ ہی نہ ہوگا۔ کہو اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے گا قبل اس کے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں اگرچہ ہم اس جیسے اور سمندر کا اضافہ کریں۔ کہو میں تو تم ہی جیسا ایک بشر ہوں، مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے تو جو کوئی اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔“

زمانۂ نزول: یہ سورہ مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔

اَفَحَسِبَ.......... لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا

اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی جارہی ہے جو اللہ کو اپنا خدا ماننے کے بجائے اس کے بندوں کو اپنا خدا تسلیم کر بیٹھے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اگر قیامت برپا ہوگی تو ہم ان کے واسطے سے بچ جائیں گے اور اللہ ہمیں معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ایسے لوگوں کے لیے عذاب تیار کر رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو شراکت پسند نہیں۔

قُلْ هَلْ.......................... صُنْعًا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اعمال کے لحاظ سے زیادہ تباہ حال لوگ کون

ہیں؟

آخرت میں ناکام ونامراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بجائے دنیا کو اپنا نصب العین بنایا جن کی کوششوں کا محور صرف اور صرف دنیا تھی اور انھوں نے آخرت کو بالکل نظرانداز کر دیا اور ان کا حال یہ تھا کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ بڑے اچھے اچھے کام انجام دے رہے ہیں۔ اس آیت پر تھوڑا رک کر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اس کا مطمح نظر دنیا ہے نہ کہ آخرت۔ اگر ہماری کوششیں صرف دنیا کے لیے ہوں اور آخرت نظروں سے اوجھل رہے تو آخرت میں ہمارے لیے بڑی رسوائی کی بات ہوگی۔

أُولَٰئِكَ .... رُسُلِي هُزُوًا

جن کی کوششیں برباد ہوگئیں ان کی صفات یہ ہیں کہ انھوں نے اللہ کی آیات اور اسی کے ساتھ ساتھ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی سے انکار کیا لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے دنیا میں جو کچھ بھی اچھے کام کئے تھے اس کا آخرت میں کوئی بدلہ نہیں ملے گا، وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اللہ سے بغاوت کی تھی، قرآن کی آیات اور رسولوں کی تعلیمات کا مذاق اڑایا تھا۔

إِنَّ الَّذِينَ .... حِوَلًا

اس آیت میں سچے مسلمانوں کو جنگ کی خوشخبری دی جارہی ہے کہ ان کے لیے جنت الفردوس ہے۔ رسولؐ نے فرمایا: ”جب تم اللہ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی سب نہریں نکلتی ہیں۔ جنت کی ایک خوبی یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے ان کا دل نہیں بھرے گا۔ انسان کی فطرت ہے کہ ایک جگہ رہتے رہتے اکتا جاتا ہے مگر جنت میں ایسا نہیں ہوگا، وہاں کی نعمتیں لازوال ہوں گی۔“

(متفق علیہ)

قُلْ لَّوْ كَانَ .... مَدَدًا

صاحب تدبر القرآن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

”اس آیت میں معجزہ کا مطالبہ کرنے والوں کو جواب دیا گیا ہے۔ کلمات سے مراد اللہ کی قدرت وحکمت کی وہ نشانیاں ہیں جو آفاق و انفس میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اگر نشانیوں کے طلب گار ہو تو یہ کائنات اتنی نشانیوں سے بھری ہوئی ہے کہ سمندر اگر روشنائی بن جائے تو اس کی روشنائی بھی ان کو قلم بند کرنے کے لیے ناکافی ہو اگر چہ اس طرح کا ایک اور سمندر بھی اس کے ساتھ ملا دیا جائے۔“ (تدبر القرآن، ج:۴، ص:۶۲۶)

قُلْ إِنَّمَآ .... أَحَدًا

نشانیاں مانگنے والوں سے کہہ دو کہ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں البتہ مجھے امتیاز حاصل اس بات کا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے اور نشانی دکھانا خدا کا کام ہے۔ جو اللہ سے ملنے کا خواہش مند ہے اس کو چاہیے کہ عمل صالح کرے اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

●●●

میگزین مہم

الحمدللہ اسلامک یوتھ فیڈریشن اعظم گڑھ ڈویژن، یوپی کی جانب سے ڈویژنل سطح پر منعقدہ ۱۵ تا ۲۰ جولائی ۲۰۲۲ میگزین مہم بحسن وخوبی اپنے اختتام کو پہنچی۔ اعظم گڑھ میں اسلامک یوتھ فیڈریشن اتر پردیش کے تنظیمی امور ومنصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ایک ڈویژن کی حیثیت سے سرگرم عمل ہے۔ تحریک کے اہداف ومقاصد کے حصول کی غرض سے اس کی جانب سے مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے ماہانہ مجلوں کی عصر حاضر میں افادیت اور ضرورت کے پیش نظر اعظم گڑھ ڈویژن نے مؤرخہ ۲۷ جون ۲۰۲۲ کو ایک چھ روزہ مہم آغاز کرنے کا فیصلہ کیا۔ دوران مہم اعظم گڑھ کے قرب ونواح کے تقریباً ۵۰ گاؤں میں ماہانہ مجلوں کی ضرورت واہمیت پر مشتمل مختلف زبانوں میں پوسٹرز اور بینرز لگائے گئے، گھر۔گھر جاکر عوام الناس سے ملاقاتیں کرکے مہم کے پیغام کو پہنچایا گیا نیز مہم کی ترجمانی کررہی ہینڈ بل تقسیم کی گئیں اور نمونہ کے طور پر ماہانہ مجلے بھی تقسیم کیے گئے۔ مختلف مقامات پر نمازوں کے بعد مساجد میں مہم کے مشمولات پر مشتمل کئی پروگرام کیے گئے اور عوامی مقامات پر کینوپی لگا کر مہم کے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کی گئی۔ مہم کے مقاصد کے حصول میں شعبہ ذرائع ابلاغ بھی کافی متحرک رہا چنانچہ اس کی جانب سے ماہانہ مجلوں کے تعارف، اس کی ضرورت، اہمیت اور افادیت پر مشتمل کل ۴ تصاویر اور ۹ ویڈیوز شوشل میڈیا پر نشر کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ برادران اعظم گڑھ کی جانب سے کی گئیں مذکورہ بالا کوششوں کو قبول فرمائے، اور انھیں آخرت میں اجر عظیم سے نوازے۔ آمین۔

اسامہ احسن صدیقی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: »مَنْ تعلَّم علمًا ممَّا يُبْتَغى به وَجْهُ الله عز وجل لا يَتعلَّمُه إلا لِيُصِيبَ به عَرَضًا من الدنيا، لمْ يَجِدْ عَرْفَ الجنة يومَ القيامة«. (ابو داؤد)

”حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی ایسا علم سیکھا جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے لیکن وہ اسے صرف اس لیے سیکھتا ہے کہ اس کے ذریعے دنیا کا سامان حاصل کرے تو وہ جنت کی خوشبو (تک بھی) نہ پا سکے گا۔“

مذکورہ بالا حدیث بہت ہی واضح انداز میں حصول علم کے باب میں یہ بتاتی ہے کہ اگر اس کا مقصد دنیا حاصل کرنا ہے تو اللہ کے یہاں ایسے علم کی کوئی اہمیت نہیں۔

دین اسلام ہر کام میں اخلاص کے ساتھ ساتھ للّٰہیت کی بھی قید لگاتا ہے۔ اگر للّٰہیت کی یہ قید ہٹا دی جائے تو اسلام اور غیر اسلام میں کوئی زیادہ فرق باقی نہیں رہتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں سب سے پہلا باب ہی یہی باندھا ہے کہ ”اعمال کا دارومدار نیت پر ہے“ نیز ”اقرأ باسم ربک“ میں پڑھنے کا آغاز اسم رب کے ساتھ ہو بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ہمارا تعلیمی نظام ہی اسم رب کے ساتھ مربوط ہو اس میں یہ لطیف اشارہ بھی غالباً اسی للّٰہیت ہی کی طرف ہے۔

اگر یہی اسم رب تعلیمی نظام سے نکال دیا جاتا ہے تو یہ فتنہ کا سبب بنتا ہے اور کفر و الحاد اور زندقہ کو جنم دیتا ہے۔ اسی وجہ سے شاعر برملا کہتا ہے:

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ
املاک بھی اولاد بھی جاگیر بھی فتنہ
ناحق کے لیے اٹھے تو شمشیر بھی فتنہ
شمشیر ہی کیا نعرۂ تکبیر بھی فتنہ

چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہی ہوا، سرسید کے ذریعے قائم کی جانے والی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اس کی سب سے بڑی مثال ہے کہ جب تعلیم برائے تعلیم ہی اس کا مقصد ٹھہرا اور للّٰہیت کو نظر انداز کیا گیا تو باوجود اس کے کہ مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں بد دین، ارتداد سے قریب اور ذہنی و فکری لحاظ سے مغربی تہذیب اور افکار و خیالات سے مرعوب نوجوانوں کی ایک کھیپ تیار ہوتی ہے۔ یہ صرف ایک مثال ہے، اس طرح کی سیکڑوں مثالیں آپ کو مل سکتی ہیں۔ یہی وہ چیز تھی جس کا رونا اکبر الہ آبادی نے رویا ہے:

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا سمجھتے تھے کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اسلام میں علم وہی ہے جس سے خدا کی معرفت ہو، ورنہ یہ علم گمراہی کا سبب بنتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے علم نافع کی دعا کرنے کی تلقین کی:

”ان یتبعون الا الظن و ان ھم الا یخرصون“

دنیا میں آدمی بہت سارے مقاصد کے تحت علم حاصل کرتا ہے جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے جیسے مال کمانے کے لیے، شہرت حاصل کرنے کے لیے، بحث و مناظرہ میں کسی کو نیچا دکھانے کے لیے، کسی پر دلیل و حجت قائم کرکے اسے کمزور ثابت کرنے کے لیے اور خود کو بڑا عالم باور کرانے کے لیے، لیکن یہ تمام مقاصد باطل قرار دیے گئے ہیں اور قابل قبول صرف اس علم کو کہا گیا ہے جس کے ذریعے حق کو پہچانا جاسکے، خدا کی معرفت ہو اور اس کی خوشنودی حاصل ہو۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ایک ایسے آدمی کو لایا جائے گا جس نے شہرت

کے لیے اور بڑا عالم کہلانے کے لیے علم حاصل کیا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسے دور کردے گا اور کہے گا کہ جس مقصد کے لیے تو نے علم حاصل کیا تھا وہ تمہیں دنیا میں ہی حاصل ہو چکا اور پھر حکم ہوگا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے، ٹھیک اسی طرح کسی بھی دنیاوی مقصد کے لیے حصول علم کیا جائے تو یہ انجام ہوگا۔

قرآن مجید نے علم کے حصول کا جو مقصد بتایا ہے اور جس کی تاکید کی ہے وہ یہ کہ دین میں تفقہ حاصل کیا جائے اور حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے گاؤں، قصبہ اور شہر والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا جائے اور اس کی نافرمانی سے بچایا جائے۔

واضح رہے کہ دین میں تفقہ سے مراد صرف فقہ اور قرآن وسنت نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سائنسی، جغرافیائی، طبی وغیرہ تمام علوم ہیں جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو وہ تمام علوم تفقہ میں داخل ہیں۔ آفاق وانفس میں غور وفکر خدا کی معرفت کے لیے بہت ہی اہم ذریعہ ہے لیکن افسوس کہ موجودہ دور میں سائنسی علوم کے ماہرین اشیاء کی حقیقت کا تو ادراک کرنا چاہتے ہیں مگر اس کی علّت کو تلاش کرنے سے کتراتے ہیں۔ ایسا اس وجہ سے ہے کہ حصولِ علم کا مقصد ہی صحیح نہیں ہے۔ کوئی عہدہ اور جاہ و منصب کی تلاش میں ہے تو کوئی بڑا عالم کہلانے کے لیے علم حاصل کر رہا ہے۔ اسی طرح کسی کے علم حاصل کرنے کا مقصد صرف پیسہ کمانا ہے کہ کیسے زیادہ سے زیادہ پیسے آئیں۔ بعض دوسرے پھر دلیل وحجت قائم کر کے اس کو حقیر ثابت کرنا چاہتے ہیں نتیجتاً ایک طرح سے حصول علم کا مقصد جہاں انذار وتبشیر کر کے دنیا کوا اور عدل و انصاف کی طرف دعوت دینا تھا وہاں صرف اور صرف دنیا کمانا، دنیاوی اصلی مقصد بن گیا ہے۔ اس طرح تعلیم ایک فتنہ کی شکل اختیار کر گئی ہے جو نوع انسانی کو جہنم کے راستے پر آسانی کے ساتھ لے جا کر ڈال دیتی ہے۔ مقصد تعلیم کے بدل جانے کی وجہ سے تضاد قول وعمل بڑھتا جا رہا ہے اور خدا ترس، خدا کی خوشنودی کو مقدم رکھنے والے علماء اب خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ یہ بات ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ امت کا پڑھا لکھا طبقہ جس کو انبیائی مشن کا وارث بتایا گیا تھا وہ آج علم حاصل کرنے کے اس مقصد کو ہی بھلا چکا جو قرآن وسنت میں بتایا گیا تھا جس کی وجہ سے پڑھا لکھا طبقہ خوف، بزدلی، احساس کمتری، مادہ پرستی کا سب سے زیادہ شکار ہے۔

لہٰذا ایسے وقت میں جس بات کی سب سے زیادہ ضرورت معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم تعلیم کے حصول کا مقصد اسی کو بنائیں جس کی تعلیم قرآن وسنت میں دی گئی ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں جو وارثین انبیاء کا ہے ورنہ ہماری بھنور میں ہچکولے کھاتی ہوئی اور ڈوبنے کے قریب ہونے والی کشتی کو صرف محمد ﷺ کے امتی ہونے کی نسبت ہمیں ڈوبنے سے کبھی نہیں بچا سکتی ہے۔

●●●

(بقیہ صفحہ ۱۴ کا)

کی قیادت کو ڈر ہے کہ EPA مفلوج ہو جانے کی صورت میں 2030ء تک کاربن سے پاک شاہراہوں کا ہدف حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔

صدر بائیڈن نے اپنے حلیفوں کو یقین دلایا ہے کہ ان دونوں معاملات پر قانون سازی کے ذریعے وہ عدالتی فیصلوں کے منفی اثرات کے سدباب میں کامیاب ہو جائیں گے، لیکن زمینی حقائق اور نومبر کے انتخابات کے لیے عوامی جائزے برسر اقتدار ڈیموکریٹک پارٹی کے لیے انتہائی مایوس کن ہیں۔

سیاسیات کے پنڈتوں کا خیال ہے کہ آئندہ انتخابات میں ایوانِ نمائندگان (قومی اسمبلی) اور سینیٹ دونوں حکمراں جماعت کے ہاتھ سے نکلتے نظر آ رہے ہیں۔

گروپ سات کا بھی یہی خیال ہے کہ دعوے اور وعدے اپنی جگہ لیکن نومبر کے انتخابات کے بعد قانون سازی کے اختیار سے محروم بائیڈن انتظامیہ عملاً اپاہج لنگڑی یا Lame duck بن کر رہ جائے گی۔

●●●

اشوک کے شیروں سے آریہ کے نرسنگھ بھگوان کی طرف
برہمنواد کے بڑھتے قدم

احمد نور عینی

ہمارے ملک کی زیر تعمیر پارلیمنٹ کی نئی عمارت پر اشوک استمبھ سے موسوم قومی نشان نصب کیا گیا، جس کی نقاب کشائی کچھ روز قبل وزیر اعظم کے ہاتھوں عمل میں آئی ۔اس قومی نشان میں بنے شیروں کی شکل اشوک استمبھ کے شیروں سے کچھ مختلف ہے ۔اشوک استمبھ کا اصل تراشیدہ پتھر سارناتھ میوزیم میں محفوظ ہے، اس میں جو شیر ہیں ان میں وقار اور متانت ہے جب کہ حالیہ نصب کردہ شیر پر تشدد اور جارح نظر آرہے ہیں ۔اشوک کے بنائے ہوئے شیر طاقت کی علامت ہیں اور ان کے چہرے کا وقار و متانت اہنسا اور امن و شانتی کی علامت ہے ۔ اشوک نے اپنے اس استمبھ کے ذریعہ یہ پیغام دیا ہے کہ طاقت وشوکت حاصل ہونے کے بعد بھی اہنسا کی راہ اپنانی چاہیے ۔راجہ اشوک ایک زمانے تک ہنسا کی راہ کو اپنائے ہوئے تھا، جنگ میں اس کی اور اس کے لشکر کی تلوار سے بے تحاشا لوگ مارے گئے، بعد میں اس نے یدھ (جنگ) چھوڑ کر بدھ کی پناہ لی اور اہنسا کی راہ اختیار کی اور گوتم بدھ کے اہنسا کا پرچار کیا ، چار شیروں کا یہ استمبھ بھی بدھ مت کے اسی اہنسا کی علامت ہے۔ زیر تعمیر پارلیمنٹ کی عمارت پر نصب شیروں کی شکل کچھ ایسی بنائی گئی کہ اشوک استمبھ کا اصل پیغام ہی فوت ہوگیا اور برہمنوادی کرم کانڈ کے ذریعہ رسم نقاب کشائی کی انجام دہی سے تو کریلا نیم چڑھا ہوگیا۔سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ یوں ہی بلا قصد و بلا منصوبہ ہوگیا؟ ظاہر سی بات ہے کہ قومی نشان سے چھیڑ چھاڑ یوں ہی بلا مقصد اور بغیر منصوبہ بندی کے نہیں کی جا سکتی ، اس کے پیچھے ایک بڑا مقصد اور ایک اہم منصوبہ ہے، مقصد ہے اشوک استمبھ کو برہمنوادی تہذیب میں گم کرنے کا اور منصوبہ ہے منوواد کو مستحکم کرنے کا۔

جس برہمنواد نے ہموار اشوک استمبھ کو شیولنگ بنایا اور جس برہمنواد نے شیو کے مجسموں کو نہ جانے کتنے دیوی دیوتاؤں کا روپ دیا وہ برہمنواد اب شیروں والے اشوک استمبھ کو بتدریج ہڑپنے اور اسے اپنی تہذیب میں گم کرنے کے درپے ہے۔ حالیہ نصب کردہ قومی نشان کے شیروں کو غور سے دیکھیں تو ان میں نرسنگھ اوتار کی جھلک نظر آتی ہے ۔ برہمن لٹریچر کے مطابق یہ وشنو کا چوتھا اوتار ہے جو ست یگ کے اخیر میں آیا تھا اور ہرنیہ کشیپ نامی راجہ کو قتل کیا تھا۔نرسنگھ اوتار والے شیر میں اور اشوک کے شیر میں ایک بات مشترک ہے کہ دونوں کا تعلق استمبھ یعنی ستون سے ہے، اشوک کے شیر کا ستون سے تعلق تو واضح ہے کہ اشوک نے انھیں ستون پر ہی کندہ کرایا تھا، نرسنگھ اوتار والے شیر کا ستون سے تعلق یوں ہے کہ اس کا ظہور ستون سے ہی ہوا تھا۔

برہمنواد کے تناظر میں نرسنگھ بھگوان کی کیا اہمیت ہے اور اشوک استمبھ کو نرسنگھ بھگوان کا

روپ کیوں دیا جا رہا ہے اسے سمجھنے کے لیے نرسنگھ بھگوان کے اوتار لینے کی کہانی کا ذکر کرنا ضروری ہوگا۔ یہ کہانی نرسنگھ پران میں کافی تفصیل سے آئی ہے، مختصراً یہ کہ ست یگ کے اخیر دور میں ہرنیہ کشیپ نامی ایک راجہ تھا، اس نے ہزاروں سال عبادت و ریاضت میں گزارے۔ اس کی اس عبادت سے خوش ہو کر برہما نے اسے ایسا وردان دیا کہ اسے ہرانا اور مارنا تقریباً ناممکن ہوگیا، یہ ناقابل تسخیر طاقت بن کر ابھرا، اس سے انسان تو انسان دیوتا بھی ڈرنے لگے، یہ انار یہ قوم سے تھا یعنی اس قوم سے تھا جس کو آریہ نے اپنا غلام اور شودر بنایا تھا، نرسنگھ پران میں اس راجہ کا ذکر دَیتیہ (ادھیائے: 40، اشلوک:6،30)، دانو (ادھیائے:40، اشلوک:3۔ ادھیائے:43، اشلوک:25)، اَسر (ادھیائے:42، اشلوک:17۔ ادھیائے: 44، اشلوک:21)، راکشس (ادھیائے: 43، اشلوک:24) جیسے ناموں سے ملتا ہے، بلکہ ایک جگہ تو اسے شودر بھی کہا گیا ہے (دیکھیے: ادھیائے:42، اشلوک:17)۔ یہ وہ نام ہیں جو آریائی برہمن نے غیر آریائی بھارتی مولنواسی قوموں کو دیے ہیں اور آریائی برہمن نے جن قوموں کو یہ نام دیے انھیں طبقاتی نظام میں سب سے نیچے رکھا اور ان کا کام صرف آریائی طبقات اور خاص کر برہمن کی خدمت کرنا طے کیا۔ راجہ کشیپ کے تئیں آریائی برہمنوں کی پریشانی اور اس سے ان کی دشمنی کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ آریائی برہمن کے بنائے ہوئے طبقاتی نظام میں مداخلت کر رہا تھا، وہ نہ صرف یہ کہ حاکم بن بیٹھا تھا، بلکہ اس نے برہمن کو بھی اپنے زیر نگیں کر لیا تھا، اس کے بیٹے کو برہمن اتالیق نے جب اسے وشنو بھکتی سکھائی تو اس نے اس برہمن اتالیق کو بلا کر یوں ڈانٹ پلائی:

''مورکھ برہمن! یہاں سے چلا جا، چلا جا، اب کی بار میرے بیٹے کو اچھی تعلیم دینا۔'' (نرسنگھ پران: ادھیائے: 41، اشلوک: 63-64، ص: 148، ہندی ترجمہ، مطبوعہ: گیتا پریس گورکھپور)

ڈانٹ سننے کے بعد اس برہمن کی حالت ایسی پتلی ہوئی کہ ''بڑی مہربانی ہوئی'' کہتا ہوا گھر چلا گیا اور وشنو کا بھجن چھوڑ کر ہرنیہ کشیپ کی تسبیح پڑھنے لگا (حوالہ سابق)۔ ہرنیہ کشیپ کا دبدبہ برہمنوں پر کچھ ایسا قائم تھا کہ اسے غصے میں دیکھ کر وہ لوگ دست بستہ منت سماجت کرنے لگتے۔ نرسنگھ پران میں ہے:

''برہمنوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا: دیو! آپ کے محض جنگ کی خواہش کرنے سے ہی سارا سنسار تھر تھر کانپنے لگتا ہے۔'' (ادھیائے: 42، اشلوک:47،46)

آریائی برہمنوں نے طبقاتی نظام اس طرح تشکیل دیا تھا کہ سب سے اوپر برہمن کو رکھا اور سب سے نیچے شودر کو، ہرنیہ کشیپ نے اس کو پلٹ دیا، شودر اوپر آ گیا اور برہمن نیچے، برہمن لوگ شودر راجہ کو دیو کہتے (جیسا کہ ابھی اوپر نرسنگھ پران کے حوالے سے آیا) اور شودر راجہ برہمن کو شودر کہتا، جیسا کہ نرسنگھ پران میں ہی ہے کہ ہرنیہ کشیپ برہمنوں سے کہتا ہے:

''او شودر برہمنو! ایسا لگتا ہے کہ تم لوگ مرنے کے لیے کچھ زیادہ ہی بیتاب ہو۔'' (ادھیائے: 43، اشلوک: 26، ص: 155، ہندی ترجمہ، مطبوعہ: گیتا پریس گورکھپور)

جس برہمنوادی نظام میں یہ حکم ہے کہ شودر اگر دو یجیہ کا نام شوخی کے ساتھ لے تو اس کے منہ میں بارہ انگل گرم آہنی سیخ ڈال دی جائے (دیکھیے: منوسمرتی: ادھیائے:8، اشلوک: 271) وہ کس طرح اس بات کو برداشت کر سکتا ہے کہ ایک شودر راجہ برہمنوں کو ڈانٹے اور انھیں نیچ اور شودر کہے۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ ہرنیہ کشیپ کے خلاف برہمنوں کی کاوش اور سازش کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ نسلی برتری والے آریائی نظریے کو چیلنج کر رہا تھا اور سماج کو برہمنواد سے آزادی دلا رہا تھا، ایسے میں برہمنواد کے بعض استحکام کے لیے راجہ ہرنیہ کشیپ کا قتل ضروری تھا۔ نرسنگھ پران کے مطابق اس کے قتل کا پس منظر یوں ہے کہ اس کا بیٹا پرہلاد (प्रह्लाद) برہمن اتالیق کی تعلیم کے سبب وشنو بھکتی میں مبتلا ہو گیا تھا، وشنو چوں کہ آریہ قوم کا دیوتا تھا اس لیے راجہ کو بیٹے کی یہ بھکتی ایک آنکھ نہ بھاتی، اس نے اسے بہت سمجھایا، تنگ آ کر اس کا قصہ تمام کرنے کی بھی کوشش کی، اسی ارادے سے اس نے ایک مرتبہ نیام سے تلوار نکالی اور اپنے بیٹے سے کہا کہ تو کہتا ہے کہ وشنو ہر جگہ ہے تو کیا وہ اس ستون میں بھی ہے؟ یہ کہتے ہوئے اس نے تلوار ستون پر ماری، تلوار ستون سے ٹکراتے ہی اندر سے شیر دہاڑتے ہوئے نکلا، یہ شیر دراصل وشنو تھا جو نرسنگھ کے روپ میں اوتار لے کر ظاہر ہوا تھا، اس شیر کا نیچے کا آدھا جسم انسانوں جیسا تھا، اس

نے راجہ ہرنیہ کشیپ کو اپنے پیر پر رکھ کر ناخن سے کھرچ کھرچ کر مار دیا۔ یوں آریائی نسلی برتری کو چیلنج کرنے والا نظام حکومت شکست سے دو چار ہوا اور برہمنواد جیت گیا۔ (اس کہانی کی تفصیل کے لیے دیکھیے: نرسنگھ پران: ادھیائے: 40تا45،ص:138 تا164، ہندی ترجمہ، مطبوعہ گیتا پریس گورکھپور)

ہرنیہ کشیپ کو مذکورہ بالا کہانی برہمن کی لکھی ہوئی مذہبی کتاب نرسنگھ پران سے لی گئی ہے، اس لیے بہت سی باتیں اس میں ایسی ہیں جو زیب داستاں کے لیے بڑھائی گئیں اور بہت سی باتیں خلاف عقل داخل کی گئیں جس سے یہ کہانی ایک دیومالائی کہانی بن گئی، اس کے دیومالائی پہلو کو قلم انداز کرتے ہوئے جیوتی باپھلے (م1890) نے معقول انداز میں اسے ذکر کیا ہے۔ واضح رہے کہ جیوتی باپھلے دور جدید کی برہمنیت مخالف تحریک کے بانی ہیں وہ اپنی کتاب غلام گیری میں ہرنیہ کشیپ کے قتل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”(دویجوں کے سردار نرسنگھ نے) موقع دیکھ کر ایک رنگ ریز سے شیر کے بناوٹی روپ کی طرح اپنے سارے بدن کو رنگ کرایا، منہ میں بڑے بڑے نقلی دانت لگوائے، لمبے بالوں والی داڑھی مونچھیں لگوائیں اور وہ اس طرح ایک خوفناک شیر معلوم ہونے لگا، یہ سارا بہروپ چھپانے کے لیے نرسنگھ نے زری سے بنی گئی اعلیٰ قسم کی ایک ساڑھی پہن لی، کسی کنواری دوشیزہ کی طرح اپنے چہرے پر لمبا سا گھونگھٹ ڈال لیا اور مندر میں جس طرف ترتیب سے ستونوں کی ایک قطار سی لگی ہوتی ہے اس طرف ان ستونوں میں سے کسی ایک کی اوٹ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا، اسی دوران ہرنیہ کشیپ دن بھر کے کارہائے حکومت سے تھکا ہارا مندر میں جوں ہی آرام کی غرض سے مسہری پر لیٹا تبھی نرسنگھ نے بڑی چابکدستی سے ان ستونوں کی اوٹ سے نکل کر ہرنیہ کشیپ کا قتل کر دیا۔“ (غلام گیری: باب:5)

کہانی خواہ دیومالائی ہو یا معقول، نرسنگھ خواہ آریہ کا بھگوان رہا ہو یا دویجوں کا راجہ، وہ ستون کے اندر سے نکلا ہو یا پیچھے سے آیا ہو اتنی بات توطے ہے کہ نرسنگھ نامی آریائی مخلوق نے ہرنیہ کشیپ نامی شودر راجہ کو قتل کیا۔ خلاصہ یہ کہ برہمنوادی طبقاتی نظام کی بخیہ ادھیڑ کر برہمن کو اپنے زیرنگیں کرنے اور انھیں ڈانٹنے ڈپٹنے کی جسارت کرنے والے کو آریائی برہمن کے نرسنگھ بھگوان نے ابدی نیند سلا کر برہمنواد کو دوبارہ مستحکم کیا یعنی طبقاتی نظام کو قائم کرنے، شودروں کی غلامی کو دوبارہ نافذ کرنے اور برہمنواد کو باضابطہ مستحکم کرنے کے سلسلے میں نرسنگھ بھگوان کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس سے یہ بات سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کہ اشوک کے شیروں کو نرسنگھ بھگوان جیسا روپ دینے کی کوشش کرنا کس بات کی علامت ہے اور آئندہ کس طرح کے نظام کے نفاذ کی تیاری ہے؟ نرسنگھ بھگوان نے چوں کہ ہرنیہ کشیپ کا قتل کرکے ورن آشرم (طبقاتی نظام) کو دوبارہ مستحکم کرنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا اس لیے اس نرسنگھ بھگوان کو خوش کرنے کے لیے ورن آشرم کو نافذ کرنا اور اس کے مطابق زندگی گزارنا ضروری ہے، نرسنگھ پران میں یہی ہدایت دی گئی ہے، جس پر پوچھنے والے نے پوچھا کہ برائے مہربانی ورن آشرم کا وہ دھرم بتائیے جس پر عمل کرنے سے سناتن بھگوان نرسنگ خوش ہوتے ہیں۔ (دیکھیے: نرسنگھ پران :9:57) اس کے جواب میں برہمن کے چھ کام بتائے گئے: پڑھنا، پڑھانا، یگیہ کرنا، یگیہ کرانا، دان لینا، دان دینا) ادھیائے: 57، اشلوک: 21)۔ یہاں کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ برہمن جنم کی بنیاد پر نہیں بلکہ کرم یعنی عمل کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کے لیے نرسنگھ پران میں پوری وضاحت کے ساتھ بتایا گیا کہ برہمن کون ہے:

”جو برہمن خانوادے میں پیدا ہونے والی عورت کے رحم سے اور برہمن ہی کے مادۂ منویہ سے پیدا ہو وہ برہمن کہلائے گا۔“ (نرسنگھ پران: ادھیائے:57، اشلوک:28)

نرسنگھ بھگوان کو خوش کرنے والے ورن آشرم کو وضاحت کرتے ہوئے چھتری سے کہا گیا کہ وہ سریشٹ برہمن کو دان دے، دیوتاؤں اور برہمنوں کا بھکت بن کر رہے (نرسنگھ پران: ادھیائے: 58، اشلوک: 3،2)۔ ویش سے کہا گیا کہ وہ پوری عقیدت کے ساتھ مال و دولت کے ذریعہ برہمن کا احترام بجا لائے اور اسے دان دیتا رہے (نرسنگھ پران: ادھیائے: 58، اشلوک: 8،7) اور شودر سے جو کہا گیا اس کو نرسنگھ پران کے ہندی ترجمہ سے بعینہ نقل کر دینا ہی مناسب رہے گا:

”شودروں کو چاہیے کہ وہ تند ہی سے ان تینوں ورنوں کی خدمت کرے، خاص کر برہمنوں

(بقیہ صفحہ ۲۳ پر)

G-7 دنیا کے سات بڑوں کا اجلاس

مسعود ابدالی

یوکرین کا مسئلہ بات چیت میں چھایا تاہم مشترکہ اعلامیے میں براہ راست کوئی ذکر نہ تھا۔

دنیا کے سات بڑے ممالک یعنی گروپ سات یا G-7 کا سربراہی اجلاس جرمن شہر کُرن (Krun) کے تاریخی قلعے شلوس ایلاماؤ (Schloss Elmau) میں ختم ہوگیا۔ کوہِ الپس کے دامن میں یہ چار منزلہ عمارت اس اعتبار سے تاریخی اہمیت کی حامل ہے کہ دوسری جنگِ عظیم میں نازیوں کی شکست کے بعد یہاں ہٹلر کے ہاتھوں بے گھر کیے جانے والے یہودیوں نے پناہ لی تھی۔ بلند مینار والا یہ قلعہ 1914ء میں ایک فلسفی اور پروٹسٹنٹ عالم جوہانس ملر اور ماہرِ تعمیرات (Architect) پروفیسر کارل سیٹلر نے تعمیر کیا تھا۔ جون کی 26 سے 28 تاریخ تک جاری رہنے والی یہ بیٹھک گروپ سات کی 48 ویں سربراہ کانفرنس تھی۔ گزشتہ چوٹی کانفرنس ایک سال پہلے لندن میں منعقد ہوئی تھی۔ سینتالیسویں سربراہی اجلاس کا سب سے اہم فیصلہ رکن ممالک کی کارپوریشنوں پر کم سے کم 15 فیصد انکم ٹیکس کا نفاذ تھا۔

گروپ سات، نظریاتی طور پر دنیا کے 7 ہم خیال، امیر و ترقی یافتہ صنعتی ملکوں کینیڈا، فرانس، جرمنی، اٹلی، جاپان، برطانیہ اور امریکہ پر مشتمل ہے۔ گروپ کا آغاز 1973ء میں اُس وقت ہوا جب عرب اسرائیل جنگ کے دوران سعودی فرماں روا شاہ فیصل مرحوم نے عربوں کے معاملے میں معقولیت پر مجبور کرنے کے لیے مغربی ممالک کو تیل کی فراہمی بند کردی تھی۔ اس کے نتیجے میں یورپ اور امریکہ شدید بحران کا شکار ہوئے اور امریکی وزیر خزانہ نے اپنے جرمن (اُس وقت مغربی جرمنی) ہم منصب ہیلمٹ شمٹ، فرانسیسی وزیر خزانہ گسکارڈ دیستان اور برطانیہ کے انتھونی باربر کو مشورے کے لیے امریکہ آنے کی دعوت دی۔ اجلاس کے دوران معیشت کے چاروں ماہرین نے بحران سے نبٹنے کے لیے مشترکہ لائحہ عمل پر غور کیا۔ گفتگو بے حد مفید رہی اور بات چیت کے اختتام پر جب یہ چاروں افراد رسمی ملاقات کے لیے امریکی صدر نکسن کے پاس پہنچے تو وہیں قصر مرمریں (وہائٹ ہاؤس) کی لائبریری میں ایک اور اجلاس ہوا جس میں تیل بحران کے ساتھ دوسرے معاشی مسائل، امکانات اور مواقع پر تفصیلی بات چیت کے بعد مل کر کام کرنے کا عہد کیا گیا۔ اس غیر رسمی و غیر روایتی مجلس کا نام "لائبریری گروپ" طے پایا۔ کچھ دن بعد جاپان بھی اس گروپ میں شامل ہوا اور لائبریری گروپ G-5 بن گیا۔ دو سال بعد جب گسکارڈ دیستان فرانس کے صدر منتخب ہوئے تو انھوں نے گروپ پانچ کا سربراہی اجلاس طلب کیا۔ پیرس میں 1975ء کے اس تین روزہ اجلاس کو اقتصادی چوٹی کانفرنس یا ورلڈ اکنامک سمٹ کا نام دیا گیا۔ اس اجلاس میں اٹلی بھی شریک ہوا، چنانچہ اس محفل کو گروپ 6 کہا جانے لگا۔

اس کے اگلے برس امریکی صدر جیرالڈ فورڈ نے اپنی کالونی پورٹوریکو میں سربراہی اجلاس کی میزبانی کی، جہاں کینیڈا کے وزیر اعظم آنجہانی پیرے ٹروڈو (موجودہ وزیر اعظم جسٹن ٹروڈو کے والد) خصوصی دعوت پر شریک ہوئے، جس کے بعد یہ ادارہ گروپ سات بن گیا۔ امریکی صدر بل کلنٹن نے تاسیس کی یاد تازہ کرنے کے لیے

1997ء کا سربراہی اجلاس ڈینور(Denver) شہر کی نوتعمیر شدہ سرکاری لائبریری میں طلب کیا، جس میں روسی صدر بورس یلسن بھی مدعو کیے گئے اور یہ فورم گروپ آٹھ بن گیا۔ 2014ء کی سربراہ کانفرنس بحر اسود کے ساحلی شہر سوچی (روس) میں ہونی تھی لیکن کریمیا پر قبضے کے بعد روس کو گروپ آٹھ سے نکال دیا گیا۔ اُس سال سربراہ کانفرنس بیلجیم کے شہر برسلز میں ہوئی، اور یہ تنظیم اب دوبارہ گروپ سات ہے۔

اپنی ولادت کے پہلے پانچ چھ سال تک گروپ سات اقتصادی اتحاد کے طور پر کام کرتا رہا۔ کچھ علمائے سیاست گروپ سات کو آزاد عالمی مرکزِ دانش یا Think tank قرار دیتے ہیں۔ لیکن تمام ممالک ایک خاص سیاسی نظریہ وعقیدہ رکھتے ہیں اور دنیا پر چودھراہٹ قائم رکھنے کے لیے یہ اپنے عزم کے اظہار میں کسی مداہنت سے بھی کام نہیں لیتے۔ گزشتہ صدی کی آٹھویں دہائی میں امریکی صدر رونالڈ ریگن اور برطانوی وزیراعظم مارگریٹ تھیچر کے زور اور اصرار پر عالمی سیاست اور دفاعی امور پر بھی بحث مباحثہ شروع ہوا۔

گروپ سات ممالک کی مجموعی آبادی دنیا کے 10 فیصد کے برابر ہے لیکن دنیا کی 31 فیصد دولت ان سات ممالک میں ہے۔ گروپ سات کی دولت وثروت کا تخمینہ جی ڈی پی کی بنیاد پر لگایا گیا ہے۔ ان ممالک میں جہاں وسائل اور دولت کا انبار ہے وہیں گروپ سات دنیا میں ماحولیاتی آلودگی کا بھی ایک بڑا سبب ہے کہ 21 فیصد کاربن کا اخراج ان ہی سات ملکوں سے ہوتا ہے۔

اس بار گروپ سات چوٹی کانفرنس کا خیالیہ یا theme ”عادل دنیا کی طرف پیش قدمی“ تھا، اور جن موضوعات پر بحث کی گئی وہ کچھ اس طرح ترتیب دیے گئے:

☆سیاسی، عسکری اور ماحولیاتی اعتبار سے پائیدار عالمی نظام

☆اقتصادی استحکام

☆صحت مند زندگی

☆بہتر مستقبل کے لیے سرمایہ کاری

☆اتحاد میں برکت (UNITED TOGETHER)

یہ گروپ چونکہ بنیادی طور پر اقتصادیات کا فورم ہے اس لیے اس میں آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن اور اس نوعیت کے دوسرے ادارے بھی شریک ہوتے ہیں۔ اِس بار ہندوستان، ارجنٹینا، انڈونیشیا، سینیگال اور جنوبی افریقہ کے سربراہان بھی خصوصی دعوت پر بطور مبصر شرکت ہوئے۔ یوکرین روس تنازع میں کریملن کے خلاف سخت مؤقف اختیار نہ کرنے پر تین ماہ پہلے جرمنی کے چانسلر اولاف شلز نے ہندوستان کا دعوت نامہ منسوخ کرنے کا عندیہ دیا تھا، لیکن صدر بائیڈن کے اصرار پر جرمنی نے یہ اعتراض واپس لے لیا۔

ایجنڈا اپنی جگہ، لیکن یوکرین بات چیت پر چھایا رہا، تاہم مشترکہ اعلامیے میں اس کا براہِ راست کوئی ذکر نہ تھا۔ اختتام پر مندرجہ ذیل چار نکاتی ”عہد نامہ“ جاری ہوا:

☆گروپ سات رہنماؤں نے انسانی حقوق کے تحفظ کا عزم کرتے ہوئے چین میں اویغور مسلمانوں کے ساتھ مبینہ بدسلوکی کی شدید مذمت کی۔

☆کاربن سے پاک ماحول کے حصول کے لیے 2030ء تک Decarbonized Road کے ہدف کا اعادہ کیا گیا۔

☆اسی کے ساتھ 2035ء تک توانائی کے باقی شعبوں کو کاربن سے پاک یا ڈی کاربونائزڈ کرنے کا ہدف طے ہوا۔

☆گروپ نے شاہراہیں، مواصلاتی ڈھانچے اور ماحولیاتی کثافت کے خاتمے کے لیے اگلے پانچ سال کے دوران دنیا بھر میں 600 ارب ڈالر سرمایہ کاری کا وعدہ کیا جس میں سے نصف یورپی ممالک فراہم کریں گے۔

قارئین کی دلچسپی کے لیے ”کاربن سے پاک ماحول“ کی مختصر سی تشریح پر چند سطور:

پیٹرولیم مصنوعات اور کوئلہ دورِ حاضر کا روایتی ایندھن ہے۔ خام تیل اور گیس کا کیمیاوی نام ہائیڈروکاربن ہے۔ کوئلے سے حاصل ہونے والی گیس میتھین (methane) بھی ہائیڈرو کاربن ہے جس کے جلنے سے فضا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ، کاربن مونو آکسائیڈ اور دوسرے مرکبات خارج ہوتے ہیں جو نہ صرف انسانی صحت کے لیے مضر ہیں، بلکہ یہ کرۂ ارض کی طرف آنے والی اوزون سے بچاؤ کے لیے قدرت کی تعمیر کردہ مدافعتی تہہ یا Ozone Layer میں شگاف کا سبب بھی بن رہی ہے۔ کاربن سے پاک سڑک و شاہراہ کا مطلب ہے کہ 2030ء کے بعد پٹرول اور ڈیزل سے چلنے والی گاڑیاں

ترک کر دی جائیں گی جبکہ 2035ء کے بعد بجلی گھروں کے لیے بھی تیل کے استعمال پر پابندی ہوگی۔

بادیٔ النظر میں مشترکہ اعلامیے سے انصاف پر مبنی مستحکم و پائیدار دنیا کی تعمیر کا عزم ظاہر ہوتا ہے، لیکن بات چیت کی جو تفصیل امریکی ذرائع ابلاغ پر شائع ہوئی ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ممالک دنیا میں چین کے بڑھتے ہوئے اثر رسوخ کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے ہیں۔

ترقی و خوشحالی کے لیے جس خطیر سرمایہ کاری کا فیصلہ کیا گیا ہے وہ دراصل چین کے Belt and Road Initiatives یا BRI کے توڑ کے لیے ہے۔ چین نے One Belt one Road کے نام سے بری اور آبی شاہراہوں کا یہ عالمی منصوبہ 2013ء میں شروع کیا تھا جسے اب BRI کہا جاتا ہے۔ امریکہ نے اس مقصد کے لیے 200 اور یورپی یونین نے 300 ارب ڈالر دینے کا وعدہ کیا ہے جبکہ جاپان اور کینیڈا 100 ارب ڈالر فراہم کریں گے۔ ان منصوبوں کے لیے امریکہ کی ترجیحات صحت عامہ، صنفی مساوات اور Digital Infrastructure ہیں۔ کانفرنس میں بحث مباحثے کے دوران یورپی رہنماؤں نے دنیا میں چین کے بڑھتے ہوئے اثر رسوخ کو عالمی جمہوریت، عقیدے کی آزادی اور آزاد پریس کے لیے خطرہ قرار دیا۔ چینی وزارتِ خارجہ نے بعض رہنماؤں کی تقریروں پر سامراجی تکبر کی پھبتی کستے ہوئے یورپی رہنماؤں کو سرد جنگ کی گھسی پٹی حکمتِ عملی ترک کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

اسی تناظر میں شمالی کوریا نے ایشیائی نیٹو کے قیام کا خطرہ ظاہر کیا ہے۔ گروپ سات اور اس کے فوراً بعد نیٹو سربراہ کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے سرکاری خبر رساں ایجنسی KCNA کے ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ امریکہ، جنوبی کوریا اور جاپان ایشیائی نیٹو بنانے کی کوشش کر رہے ہیں جس کا ہدف شمالی کوریا ہوگا۔ بیان میں شمالی کوریا نے نیٹو کی میڈرڈ (ہسپانیہ) چوٹی کانفرنس میں جاپان اور جنوبی کوریا کے سربراہان کی بطور مبصر شرکت اور اس دوران امریکہ، جاپان اور جنوبی کوریا کے خصوصی سربراہی اجلاس پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مؤقف اختیار کیا کہ ”تین کا یہ ٹولہ“ شمالی کوریا کے خلاف معاندانہ عزائم رکھتا ہے۔

چینی وزارتِ خارجہ نے کچھ ایسے ہی تحفظات کا اظہار معاہدہ اربع یا QUAD کے خلاف کیا ہے۔ ”کواڈ“ ہندوستان، جاپان، آسٹریلیا اور امریکی بحریہ کے درمیان ایک غیر تحریری فوجی معاہدہ ہے جس کا مقصد بحرالکاہل میں آزادانہ جہازرانی کو یقینی بنانا ہے۔ بیجنگ کا خیال ہے کہ کواڈ اب جنوب ایشیائی نیٹو کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔

اسی کے ساتھ امریکی سپریم کورٹ نے حال ہی میں جو دو فیصلے جاری کیے ہیں، گروپ سات کے قائدین اسے سربراہ کانفرنس میں کیے جانے والے فیصلوں کے منافی قرار دے رہے ہیں۔

افتتاحی اجلاس سے دو دن پہلے امریکی عدالتِ عظمیٰ نے اسقاطِ حمل کے معاملے کو ریاستوں کے حوالے کر دیا۔ 1973ء میں سپریم کورٹ نے ”میرا جسم میری مرضی“ کا اصول تسلیم کرتے ہوئے اسقاط کو پُر امید ماؤں کا حق قرار دیا تھا۔ لیکن اب 3 کے مقابلے میں 6 ججوں نے فیصلہ دیا کہ اسقاط کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ ریاستوں کو کرنا چاہیے۔ تیرہ سے زیادہ ریاستوں کی مقننہ اسقاط کو غیر قانونی قرار دے چکی ہیں۔ گروپ سات کا کہنا ہے کہ صنفی مساوات اور خواتین کا اقتصادی استقلال اس سال کے فیصلوں کی روح ہے اور امریکی سپریم کورٹ نے اسقاطِ حمل کا حق خواتین سے چھین کر حوا کی بیٹی کو دوسرے درجے کی مخلوق بنا دیا ہے جسے اپنے جسم پر بھی اختیار حاصل نہیں۔ فیصلے سے امریکی سپریم کورٹ کی نظریاتی تقسیم ایک بار پھر سامنے آگئی۔ تینوں لبرل ججوں نے فیصلے کی مخالفت کی۔ دلچسپ بات کہ اس فیصلے کا مسودہ کچھ عرصہ پہلے Leak ہو چکا تھا۔

امریکی عدلیہ میں قدامت پسندوں نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے ایک اور فیصلہ یہ سنایا کہ مقتدرہ برائے تحفظِ ماحول (EPA) کو کلیدی ضابطے بنانے کا اختیار نہیں۔ اس سلسلے میں قانون سازی وفاقی اور ریاستی مقننہ کو کرنی چاہیے۔ یہ فیصلہ بھی نظریاتی بنیادوں پر ہوا، اور تینوں لبرل ججوں نے اکثریتی فیصلے کے خلاف نوٹ لکھے۔ اس فیصلے سے جہاں EPA کی قدغنوں سے پریشان امریکی سرمایہ کار و صنعت کار، خاص طور پر تیل اور تعمیرات کی صنعت سے وابستہ طبقے نے اطمینان کا سانس لیا ہے وہیں گروپ سات

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

اسلام کے خلاف ہالی وُڈ کی تصویری جنگ

ڈاکٹر سلیمان صالح

مغرب میں اسلام کی جو تصویر ہے، اس کا مطالعہ کیا جائے تو شاید بیش تر واقعات و حوادث کی حقیقت کو واضح کرنے کی بنیاد مل جائے اور ہمیں اس بات کا مزید ادراک بھی حاصل ہو جائے کہ رائے عامہ پر کس طرح اثر انداز ہوا جاتا ہے اور عوام کے جذبات سے کس طرح کھیلا جاتا ہے؟ دنیا میں تصویر یا تشخص کی جنگ جاری ہے، جس میں ہر ملک اس بات کے لیے کوشاں ہے کہ [دنیا کے سامنے] اپنی تصویر بنانے اور اپنے دشمنوں کی گھسی پٹی تصویر قائم کرنے کا ملکہ حاصل کرلے۔

تصویر کی اس جنگ میں امریکی سینما انڈسٹری نے اہم کردار ادا کیا ہے، اور اس نے ایسی بہت ساری فلمیں بنائی ہیں، جن کا مقصد دوسروں یا دشمن [ممالک] کے بالمقابل امریکا کے تشخص کو مثبت تصویر کے چوکھٹے میں پیش کرنا ہے۔

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد سے امریکی تحقیقاتی مراکز نے صرف ہدف کو چُنا ہے کہ اسلام کو امریکا اور یورپ کے دشمن کے طور پر پیش کیا جائے۔ ان مراکز کی ملی بھگت نے مسلمانوں کی مطلوبہ منفی تصویر کُشی کے لیے بہت سی فلمیں منظر عام پر لانے کی بنیاد فراہم کی ہے۔

اسلام کی تصویر کُشی کے سیاسی اہداف:

ایک سروے، جسے چار پاکستانی محمد یوسف، نعمان سیل، عدنان مناور اور محمد شہزاد نے انجام دیا ہے، یہ واضح کرتا ہے کہ اسلام کی تصویر کو بگاڑنے کی صورت میں امریکی سینما بعض سیاسی اہداف کی تکمیل کر رہا ہے۔ اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے امریکی سینما نے بعض اصطلاحات اور تصورات مثلاً 'ریڈیکل اسلام'، 'انتہا پسند اسلام'، 'ملیشیائی اسلام'، 'بنیاد پرست اسلام'، 'اسلامائزیشن اور انقلاب پسند' اسلام کا استعمال کیا ہے۔ ان اصطلاحات کے استعمال نے اسلام اور مسلمانوں کی گھسی پٹی تصویر سازی کے لیے فلسفیانہ اور پروپیگنڈا بنیاد فراہم کی ہے۔ یہ اصطلاحات عوام کو اس بات پر مجبور کر رہی ہیں کہ وہ ان الفاظ و تصورات سے وہی تصویر قبول کریں، جو ہالی وُڈ کے نظریات پر مبنی ہے، یعنی سینما پروپیگنڈے، عوام کے جذبات و رجحانات سے کھیلنے اور رائے عامہ پر اثر انداز ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔

سینما اور اسلاموفوبیا:

اسی طرح سینما نے اسلاموفوبیا کا ہوّا کھڑا کرنے یا اسلام دشمنی اور مسلمانوں سے نفرت کو جنم دینے میں بھی خوب مدد کی ہے۔ اہل مغرب کے دلوں میں اسلام مخالف جذبات پیدا کیے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف تعصب کو ہوا دی ہے۔ اس تحقیق کا ایک اہم ترین نتیجہ یہ ہے کہ امریکی ذرائع ابلاغ اسلام کو اسی نظریہ تہذیبی تصادم سے ہم آہنگ کر کے پیش کر رہے ہیں، جسے سیموئیل ہن ٹنگٹن نے پیش کیا تھا۔

تہذیبی تصادم کے نظریے نے دنیا کو تقسیم کر کے مغرب اور اسلام کے درمیان گہری کش مکش پیدا کی ہے۔ اس نظریئے کو دنیا کے اوپر تھوپنے کے لیے ذرائع ابلاغ، خاص طور سے سینما کو استعمال کیا گیا ہے، جس نے اہلِ مغرب اور مسلمانوں کے درمیان امتیاز و اختلاف کے مختلف پہلوؤں پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ اسی لیے امریکی سینما نے اسلام کو ایک مذہب (دین) کی حیثیت سے لیا ہی نہیں، اور تعصب و جانب داری سے مسلمانوں کے جذبات و احساسات کو چوٹ

پہنچائی ہے۔

فلم موثر ترین ذریعہ:

سروے اور تحقیق سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی لگی بندھی تصویر پیش کرنے میں سینمائی فلمیں دوسرے ذرائع ابلاغ مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ سے بھی زیادہ موثر رہی ہیں۔ دنیا اس وقت تصویری تہذیب کے دور میں جی رہی ہے۔ فلم تواتر اور تسلسل کے ساتھ تصویروں کے جس مجموعے کو پیش کرتی ہے، انھیں پردے پر ایسے متاثر کن انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتی ہیں اور وہ ان ڈرامائی اور تخیلاتی تصویروں کو اصل حقیقت کے روپ میں دیکھنے لگتا ہے۔ اسی وجہ سے ہالی وڈ اپنے اندر بڑی اثر پذیری کی قوت رکھتا ہے۔

اسی لیے چاروں محققین نے اپنے سروے میں اس انڈسٹری کو آکٹوپس سے تشبیہ دی ہے جس نے دنیا کو اپنے بازوؤں کی گرفت میں لے رکھا ہے۔ دنیا کے بازارِ تفریح (Entertainment Market) پر ہالی وُڈ کی حاکمیت ہے۔ کروڑوں لوگ اس کی بنائی ہوئی فلمیں دیکھتے ہیں۔ ان فلموں کی وجہ سے ہالی وُڈ نوجوانوں کا سب سے طاقت ور استاد بن چکا ہے، کیوں کہ سب سے زیادہ فلموں سے جڑنے والا طبقہ نوجوانوں کا ہی ہے۔

دوسرا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ہالی وُڈ میں کام کرنے والے پرڈیوسرز، ڈائرکٹرز، قلم کار اور اداکار سب کے سب امریکا کے اشرافیہ (Elite) طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور دنیا کا وہی تصور پیش کرتے ہیں جو یہ طبقہ رکھتا ہے۔

سینما کا سیاسی وتشہیری کردار:

امریکا سرد جنگ سے فاتح کی حیثیت سے باہر نکلا تو ہالی وُڈ نے اپنی فلموں میں اس اصطلاح پر توجہ مرکوز کر دی، جسے امریکا نے 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کا نام دیا ہے۔ اسی مقصد کے لیے اس نے ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے حادثے کو بھی استعمال کیا۔ چنانچہ ایسی بہت سی فلمیں تیار کیں، جن کا مقصد امریکی عوام کی ذہن سازی کر کے انھیں امریکی قیادت کی حمایت وتائید پر مجبور کرنا، اور افغانستان وعراق کے خلاف امریکی جنگ کے فیصلے کو جائز ٹھیرانا تھا۔

اسلام کی روایتی منفی تصویر جو ہالی وُڈ نے گھڑی ہے، اس کا استعمال امریکا نے فلم بین حضرات کو اس بات کا یقین دلانے کے لیے کیا ہے کہ مسلمان 'انتہا پسند'، 'دہشت گرد' اور 'متعصب' ہوتے ہیں۔

سینما کے اس سیاسی وتشہیری کردار سے واضح ہوتا ہے کہ ہالی وُڈ صرف تفریح کا ایک وسیلہ ہی نہیں ہے، بلکہ یہ ذہنوں میں ایک مخصوص تصویر قائم کرنے کی فیکٹری بھی ہے۔ یہ سینما ہی تصویری واصطلاحاتی جنگ اور تہذیبوں کے مابین کش مکش کو کنٹرول کر رہا ہے۔ اسی طرح یہ سینما ہی امریکی اشرافیہ کے نقطۂ نظر کو عام کر کے اس کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کا کام بھی کر رہا ہے۔

بدقسمتی سے لوگ دنیا کو ہالی وُڈ کے اسی کیمرے کی آنکھ سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں، جو حقائق کو پیش نہیں کرتا، بلکہ تصویروں، اور خواص کی مدد سے من پسند اور مذموم واقعات کو جنم دیتا ہے اور پھر عوام کے جذبات کو ان کے خلاف اُبھارتا ہے جنھیں وہ اپنا دشمن سمجھتا ہے۔

جعلی اور گمراہ کن روایتی تصویر:

عوام کے سامنے ہالی وُڈ جو معلومات پیش کرتا ہے، ان کا انداز عمومی نوعیت کا ہوتا ہے اور ان کے توسط سے وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رائے عامہ پر اثر انداز ہونے کے لیے اس قسم کے احکامات صادر کرتا ہے، جو عوام کو گمراہ کرنے والے اور ان کے جذبات واحساسات کے ساتھ کھلواڑ کرنے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان چار محققین نے ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۲ء کے درمیان ریلیز ہونے والی چار ہالی وُڈ فلموں کے ۲۸۷ مناظر کا جائزہ لیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ''امریکی سینما نے اسلام کو منفی شکل میں پیش کیا ہے''۔ اس جائزے میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ ''اس تصویر میں بلاکسی امتیاز کے تمام اسلامی ممالک کو شامل کیا گیا ہے، اور مغرب نے مسلم ممالک کی اس منفی تصویر کو تہذیبوں کے مابین تصادم کے نظریے کو فروغ دینے کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس نظریے کی روشنی میں ان باتوں کو فروغ دیا گیا ہے جو اہلِ مغرب کے جذبات کو مشتعل کرنے والی اور انھیں اسلام سے متنفر اور مسلمانوں سے خوف زدہ کرتی ہیں''۔

اسی طرح ہالی وُڈ نے اسلام کی ایسی تصویر کو دنیا میں عام کرنے کا کام بھی کیا ہے کہ مسلمانوں کو دُنیا کے لیے خطرہ بتا کر ان سے لوگوں کو خوف زدہ کیا جاسکے۔ اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ دینِ اسلام کے خلاف دشمنی اور مسلمانوں کے خلاف زیادتی کے واقعات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ مثال کے طور پر امریکا، کینیڈا، یورپ اور نیوزی لینڈ وغیرہ میں مساجد کو نذرِ آتش کرنے کے واقعات پیش

آئے ہیں۔

وطن پرستی اور اسلاموفوبیا کے درمیان تعلق:

مسلمانوں کی روایتی انداز کی منفی تصویر کا تعلق امریکا اور یورپ میں وطن پرستانہ جذبات کو ابھارنے سے بھی ہے۔ اس سے ان ممالک میں مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز احساسات میں اضافہ ہوا ہے۔ ایک اور محقق ابوسادات بھی اس سے پہلے اپنی تحقیق میں اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ ہالی وُڈ اسلام اور مسلمانوں کی منفی تصویر بنانے پر کام کر رہا ہے۔

استعمار ابھی بھی زندہ ہے:

عبید منشاوی فوال نے کونکورڈیا یونی ورسٹی میں ماسٹرز کی ڈگری کے لیے مقالہ پیش کیا ہے۔ اس مقالے میں انھوں نے اپنی تحقیق کا یہی نتیجہ پیش کیا ہے کہ ہالی وُڈ کے فلم ساز استعماری دور کے یورپی مستشرقین کے پیش کردہ افکار پر ہی اعتماد کرتے ہیں۔ اور مستشرقین کے یہ افکار مسلمانوں کی مسخ شدہ تصویر کے سہارے استعمار کی برتری کے جواز کو بیان کرتے ہیں۔ دوسری طرف یورپی استعمار کی صورت گری سفید فام اہلِ مغرب کے اندر احساس برتری اور تکبّر اور حتمی غلبے کے جذبات کو غذا فراہم کر رہی ہے۔ ۱۱ ستمبر کے بعد سے امریکی سنیما کا استعمال اسلام کی اقدار، تہذیب اور روایات کے خلاف پروپیگنڈا مہم کے لیے بھی کیا جانے لگا۔ اس کوشش کے تحت اسلام کو 'دہشت گردی'، 'تشدد'، 'انتہاپسندی'، 'بنیاد پرستی' اور 'جمہوریت دشمنی' سے جوڑا جانے لگا۔

امریکی فلم سازوں نے تہذیبی تصادم کے نظریے، سبز خطرے (Green Danger)، نظریاتی کش مکش، اور قدیم صلیبی جنگوں کے نظریات کو فلموں میں استعمال کیا ہے، اور یہ وہ نظریات ہیں، جو بین الاقوامی کش مکش کے لیے فکری اساس کی حیثیت سے وضع کیے گئے ہیں۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ سنیما، عالمی کش مکش کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کا بھی ایک اہم ذریعہ ہے۔ اسلام سے خوف زدہ کرنے کے لیے سنیما کا استعمال اس فکر کو فروغ دینے کے لیے کیا گیا کہ ''امریکی جمہوریت خطرے میں ہے اور امریکا دہشت گردی کی زد میں ہے''، اس لیے ضروری ہے کہ مسلم دُنیا کے خلاف عسکری جنگ کا سلسلہ جاری رکھا جائے''۔

اس حقیقت کی روشنی میں فوال یہ رائے بیان کرتے ہیں کہ ''اسلام کی جو روایتی انداز کی تصویر امریکی سنیما نے گھڑی ہے، وہ نہایت تباہ کن اور سخت خطرناک ہے۔ یہ تصویر مستقل طور پر اسلام دشمنی کی راہ ہموار کرنے والی ہے۔ یہ تصویری جنگ حقیقی جنگ کے لیے راہ ہموار کرنے والی ہے، جس کا مقصد ملکوں پر قبضہ جمانا اور انسانیت کو برباد کرنا ہے۔ مغربی فوجیوں کو اپنے دشمن پر میزائل چلانے سے پہلے ایک ذہنی تصویر کی ضرورت ہوتی ہے، جو امریکی فوج کی سرگرمیوں کو احترام دینے والی ہو اور امریکی فوجیوں کو ہیرو کا رُوپ دے سکتی ہو۔ اسی طرح انھیں ایک ایسی روایتی تصویر کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جو ان کے دشمن کی صورت کو بگاڑ کر پیش کرتی ہو اور انھیں بدمعاش، دہشت گرد اور جمہوریت و ترقی کے دشمن کے طور پر پیش کرتی ہو''۔

امریکی سنیما اپنے طویل تاریخی تجربات کو بروئے کار لا رہا ہے اور تصویری جنگ میں اپنے کردار کو انجام دینے کے لیے ٹکنالوجی کے میدان میں ہونے والی ترقی کو کام میں لا رہا ہے۔ اس کی نظر میں یہ تصویری جنگ ہی دنیا کے مستقبل کی تشکیل اور استعماری غلبے کے نئے دور کے لیے راہ ہموار کرے گی۔ سوال یہ ہے کہ ہم اس تصویری جنگ کا مقابلہ کیسے کریں اور کیسے ایک ایسی میڈیا انڈسٹری کی تشکیل کریں، جو مسلمانوں کو [درست] معلومات فراہم کر سکے، ان کے فہم و شعور کی تشکیل کر سکے اور اکیسویں صدی کے چیلنجوں کے مقابلے کی قوت امت کے اندر پیدا کر سکے؟

مستقبل کی تعمیر و تشکیل ایسے اصحابِ علم اور محققین کی ضرورت مند ہے، جو اپنے ممالک کو ذہنی تصویر سازی کے قابل بنا سکیں اور اس قابل بنا سکیں کہ وہ ان روایتی اور گھسی پٹی، آلودہ اور بیہودہ تصویروں کا مقابلہ کریں، جو امت کے خلاف دشمنی کی بنیاد بن رہی ہیں اور امریکا جو کہ سنیما کو اسلام کی منفی تصویر بنانے کے لیے استعمال کرتا ہے، وہ ان بنی بنائی تصویروں کا زیادہ دن تک سہارا نہ لے سکے۔

ذہنی و روایتی تصویر اس بنیاد کی تشکیل کرتی ہے جس پر مغرب کے پالیسی ساز اپنی خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات کے سلسلے میں اعتماد کرتے ہیں، جب کہ استعماری سوچ آج بھی ہالی وُڈ کے پروڈیوسرز کے لیے بنیادی حوالے کی حیثیت رکھتی ہے۔

●●●

مسلم نوجوانوں کے لیے آئیڈیل شخصیات

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

محترم صدر مجلس ، محترم خواتین اور معزز حضرات! اس تقریب میں آمد سے قبل تک میں آپ کی اس تنظیم اور اس جلسے کی نوعیت سے واقف نہیں تھا لیکن اس سب کے باوجود اس تنظیم سے متعلق دو الفاظ ایسے تھے کہ جن کی بنا پر اس دعوت کو رد کرنا میرے لیے ممکن نہ تھا۔ ایک لفظ ہے ینگ (Young) جس سے یقیناً اس بات کی طرف رہنمائی ہوئی کہ اس تنظیم میں کچھ نوجوانوں کا عنصر غالب ہے۔ دوسرے آج کی اس تقریب کے عنوان میں لفظ 'اقرأ' شامل ہے۔ اور 'اقرأ' قرآن مجید کا پہلا لفظ ہے کہ جو محمدؐ رسول اللہ پر نازل ہوا۔ پھر یہ کہ رمضان المبارک کی آمد آمد ہے جو کہ نزول قرآن کا مہینہ ہے۔ لہٰذا ان تینوں باتوں کی موجودگی میں جیسے ہی مجھے اس تقریب کی دعوت دی گئی میں نے یہاں حاضر ہونے کا وعدہ کرلیا۔

یقیناً اس نوع کی تقاریب منعقد کرنا ایک نیک اقدام ہے۔ آپ کے اس محکمے کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل ہے جن میں بے شمار صلاحیتیں خوابیدہ ہوتی ہیں اور ان کے بروئے کار لانے کے لیے اگر اس طرح کے فورمز (Forums) ہوں جن میں صحت مند علمی وفکری اور عملی سرگرمی کے لیے میدان فراہم کیا جائے تو ایک طرف منفی رجحانات کا سدّ باب ہوجاتا ہے، اس لیے کہ عربی کی ایک کہاوت ہے کہ بے کار آدمی کا ذہن شیطان کی دوکان بن جاتا ہے اور دوسری طرف خوابیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار آنے کا موقع ملتا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ یہ تنظیم واقعتاً صحت مند روایات پر قائم کرے، مثبت کام کے لیے نوجوانوں میں ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرے اور ان کے اظہار کے مواقع فراہم کرے۔

لفظ Young (نوجوان) سے میرا ذہن قرآن مجید اور سیرت رسولؐ کے دو حقائق کی طرف منتقل ہوا۔ حضورؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں ایک کافی بڑی تعداد نوجوانوں کی تھی۔ ویسے تو عربی میں جوان کے لفظ کا اطلاق چالیس برس کی عمر تک ہوتا ہے 'شاب' جس سے یہ لفظ 'شباب' بنا ہے عربی زبان میں چالیس برس تک کے انسان کے لیے مستعمل ہے۔ اس کے بعد پھر کہولت کا دور شروع ہوتا ہے لہٰذا نوجوان یا جوان سے مراد صرف 'Teen Agers' نہیں۔ چالیس برس کی عمر اصل میں قرآن مجید میں ایک سورۂ مبارکہ میں اس اعتبار سے مذکور ہے کہ یہ انسان کی پختگی (Maturity) کی عمر ہے۔ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰي وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ (الاحقاف:۱۵)

اس آیت مبارکہ میں چالیس برس کو انسان کی پختگی کی عمر قرار دیا گیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ اس سے مراد جسمانی پختگی (Physical Maturity) نہیں۔ وہ تو انسان سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں حاصل کرلیتا ہے اور پچیس اور تیس برس کے مابین اس کے عروج پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد سے جسمانی قویٰ میں تو کسی نہ کسی درجے میں ایک ڈھلوان کی سی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن چونکہ انسان صرف قوائے طبعیہ کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا اصل سرمایہ اس کے قوائے فکریہ، اس کی ذہنی صلاحیتیں، اس کا Intellect اور اس کا شعور ہے اس لحاظ سے Maturity کی عمر چالیس برس ہے، اور اس سے قبل تک کے لیے لفظ 'شباب' کا اطلاق ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ پر

ایمان لانے والوں کی اکثریت اسی Age Period میں شامل ہے بلکہ ان میں ایک بہت بڑی تعداد ان نوجوانوں کی بھی تھی جنہیں Teen Agers کہا جاتا ہے۔

جن صحابہ کرامؓ نے بعد میں عظیم کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ان میں سعد بن ابی وقاصؓ ہیں جو فاتح ایران بھی ہیں۔ آپ جب حضورؐ پر ایمان لائے تو جوانی کے آغاز میں تھے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ جب آپؐ پر ایمان لائے تو ان کی عمر نو اور تیرہ برس کے درمیان تھی۔ اسی طرح حضرت مصعبؓ بن عمیر کہ جنھوں نے مدینے میں انقلاب برپا کیا بڑے ہی بانکے اور سجیلے نوجوان تھے۔ ان کے والد بہت بڑا سرمایہ چھوڑ کر فوت ہوئے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد والدہ نے بڑی محبت سے ان کی پرورش کی تھی۔ ان کے لیے دو دوسو درہم کا جوڑا شام سے تیار ہو کر آتا تھا۔ پنڈت نہرو کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ نوجوانی میں ان کے کپڑے پیرس سے سل کر آتے تھے اور وہیں دھلتے تھے کیونکہ ان کے والد موتی لال نہرو، ہندوستان کے چوٹی کے رؤسا میں سے تھے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کے بارے میں یہی بات مشہور ہے کہ ان کا دو دوسو درہم کا جوڑا ہوتا تھا اور پورا لباس معطر ہوتا تھا کہ جب وہ اپنے کپڑے پہن کر اور آرائش کر کے نکلتے تھے تو مکّے کے گلیوں میں گفتگو کا موضوع بن جاتے تھے اور جس راستے سے گزرتے تھے وہ معطر ہو جاتا تھا۔ جب یہ حضورؐ پر ایمان لائے تو ابھی نوعمر تھے۔ قبائلی طرز زندگی میں والد کی وفات کے بعد خاندان کے سربراہ کی حیثیت از خود ان کے چچا کو حاصل ہو گئی تھی۔ چنانچہ جب یہ ایمان لائے تو چچا نے ان سے کہا کہ اگر تم نے اپنے باپ کا دین چھوڑ کر محمدؐ کا دین اختیار کر لیا تو اب تمہارا اپنے مشرک باپ کی دولت پر کوئی حق نہیں ہے، لہٰذا گھر سے نکل جاؤ۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ مصعبؓ فوراً تائب ہو جائے گا لیکن حضرت مصعبؓ بن عمیر نے فوراً کہا کہ اچھا اگر آپ کا یہ حکم ہے تو میں گھر چھوڑ کر جانے کو تیار ہوں اور چلنے لگے تو چچا نے معاملہ کو توقع کے بالکل برعکس دیکھ کر آخری وار کے طور پر کہا کہ یہ کپڑے جو تمہارے بدن پر ہیں یہ بھی اُسی مشرک باپ کی کمائی کے ہیں، یہ بھی اتار دو تو حضرت مصعبؓ بن عمیر نے وہ کپڑے وہیں اتارے اور مادر زاد برہنہ ہو کر گھر سے نکلے، حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جلد ہی حضورؐ کے سب سے زیادہ فیض یافتہ اور تربیت یافتہ نوجوان کی حیثیت حاصل کر لی۔ لہٰذا جب مدینے والوں نے آنحضرتؐ سے اپنے لیے کوئی معلّم قرآن مانگا تو حضورؐ نے ان کو بھیج دیا۔

اس کے بعد مدینے میں ایک سال کے عرصے میں ان کی محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے سال حج کے موقع پر بہتر (۷۲) مسلمان ان کے ہمراہ تھے۔ ان لوگوں نے حضورؐ سے بیعت کی کہ اگر آپؐ مدینے تشریف لے آئیں تو ہم آپ کی حفاظت کریں گے اور اگر مکّے والے ہم پر چڑھائی کریں گے تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔ یہ بیعت بیعتِ عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے۔ یہی اسلام کا 'Turning Point' ہے اور ہجرت کی بنیاد بھی یہی بیعت بنی۔ اس لحاظ سے بعد کی تمام کامیابیوں کا ذریعہ یہی بہتر (۷۲) افراد اور ان کی بیعت بنی اور یہ بہتر (۷۲) افراد حضرت مصعبؓ بن عمیر کی ایک سالہ کاوش کا نتیجہ ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت مصعبؓ بن عمیر تاریخ اسلامی میں ایک نہایت تاریخ ساز شخصیت تھے۔

مسلم نوجوانوں کے سامنے اس طرح کے آئیڈیل ہونے چاہئیں، اس لیے کہ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی آئیڈیل ہوتا ہے اور اس کے کچھ اثرات بالکل غیر شعوری طور پر شخصیت پر مرتب ہوتے ہیں۔ جس سے انسان کو محبت ہوتی ہے اس سے وہ غیر شعوری طور پر متاثر بھی ہوتا ہے اور اس کے کردار کی تقلید بھی کرتا ہے۔ صحابہ کرام کی سیرت و عظمت اگر ہماری نگاہوں کے سامنے ہو اور خصوصاً نوجوان صحابہ کی تو اس سے یقیناً نوجوانوں کو اپنی شخصیتوں کی تعمیر میں مدد ملے گی۔

انہی حضرت مصعبؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک روز حضورؐ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے تو حضرت مصعبؓ کا گزر وہاں سے ہوا، یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے تو حضور نے دیکھا کہ ان کے جسم پر صرف دو پھٹے ہوئے کمبل ہیں۔ ایک کو انھوں نے تہبند کی حیثیت سے لپیٹا ہوا ہے اور ایک چادر کی شکل میں ہے تو حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے کہ یہ نوجوان جس کا دو دوسو درہم کا جوڑا شام سے تیار ہو کر آتا تھا اور جدھر سے گزر جاتا تھا ادھر کے تمام راستے معطر ہو جاتے تھے اب وہ عشق محمدؐ میں اس مقام تک پہنچ چکا ہے کہ جسم پر دو کمبلوں کے سوا کچھ نہیں۔ عاشق رسول ﷺ ہونے کے دعویداروں کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

حضرت مصعبؓ کی شہادت بھی بڑی شاندار

شہادت ہے۔ اس لیے کہ یہ غزوۂ احد میں علم بردار تھے اور مہاجرین کا علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے جس ہاتھ میں وہ جھنڈا تھا اس پر تلوار کا ایسا وار پڑا کہ وہ کٹ گیا تو انھوں نے دوسرے ہاتھ سے اس کو تھام لیا۔ دوسرے ہاتھ کو بھی جب حملہ آور نے کاٹ دیا تو اب دونوں ہاتھوں کے بچے کھچے حصوں سے انھوں نے اس علم کو سنبھالے رکھا اور اس کو گرنے نہیں دیا۔ لیکن جب روح نے ان کے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا تو آپؓ علم کے ساتھ گر پڑے اور حضورؐ سے مشابہت ہونے کی وجہ سے خبر پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے بعد میں اس خبر کی تردید کی گئی۔ جب آپؓ کی تدفین کا وقت آیا تو حضورؐ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی۔ بس وہی جو نیچے باندھی ہوئی تھی اور وہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ اگر اس سے مصعبؓ کا سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر کھل جاتا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ سر کو تو چادر سے ڈھانپ دو اور پیروں پر گھاس ڈال دو۔ یہ آخری کفن ہے جو دو دو سو درہم کا جوڑا پہننے والے کو نصیب ہوا۔ تو اصل میں ہمارے لیے یہی مثالیں اور یہی آئیڈیلز ہیں کہ جن کی طرف "ینگ" کے لفظ سے میرا ذہن منتقل ہوا۔

حضورؐ پر ایمان لانے والے ایک اور نوجوان حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا تذکرہ بھی یہاں غیر ضروری نہ ہوگا۔ ان کے ایمان لانے کے بعد ان کی والدہ نے مکمل بھوک ہڑتال کر دی تھی کہ اگر سعدؓ اس نئے دین کو نہیں چھوڑے گا تو وہ نہ کھائے گی، نہ پیئے گی اور اپنی جان دے دی گی۔

آج کل بھوک ہڑتال کے نام سے اپنے مطالبات منوانے کے لیے یہی کچھ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس عورت نے ماں ہونے کے ناطے ان پر ہر ممکن دباؤ ڈالا۔ اب آپ اندازہ کیجئے کہ یہ بات اس سلیم الفطرت نوجوان پر کس قدر شاق گزر رہی ہوگی کہ میری ماں اپنے آپ کو ہلاک کر رہی ہے اور یہ ان کے لیے بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ اس لیے پھر قرآن مجید میں حکم آیا کہ اگر تمہارے والدین تمہیں شرک کا حکم دیں تو تم ان کا کہنا مت مانو:

وَ اِن جَاهَدٰکَ عَلٰی اَن تُشرِکَ بِی مَا لَیسَ لَکَ بِهٖ عِلمٌ فَلَا تُطِعهُمَا (لقمان: ۱۵)

اسی طرح حضرت خبابؓ بن ارت بھی نوجوان تھے، ان کو دہکتے ہوئے انگاروں پر ننگی پیٹھ لٹایا جاتا تھا مگر وہ ثابت قدم رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی بالکل نوجوان تھے جب ایمان لائے۔ اسی طرح ایک کثیر تعداد صحابہ کرام میں ایسے نوجوانوں کی تھی جنھوں نے غلبہ اسلام کی جدوجہد میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

ینگ کے حوالے سے مجھے سیرت کے بعد کا ایک واقعہ یاد آیا۔ ان الفاظ ہی سے دراصل انسان کا ذہن مختلف واقعات کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ ہمارے ذہن میں جو یادداشتیں محفوظ ہیں وہ کچھ الفاظ کے حوالے ہی سے ریکارڈ میں ہوتی ہیں اور بسا اوقات کسی ایک لفظ کے حوالے سے بہت سی فائلیں از خود کھل جاتی ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں میرا ذہن اصحاب کہف کے واقعے کی جانب منتقل ہوا۔ سورۃ الکھف کے آغاز میں اصحاب کہف کا ذکر آیا ہے۔ اُن کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے ذکر پر قرآن مجید میں لگ بھگ ساڑھے تین رکوع ہیں۔ انہی اصحاب کہف کے حوالے سے اس سورت کا نام بھی ہے جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان سورۃ الکھف پوری یا کم سے کم اس کی ابتدائی اور آخری آیات ہر جمعے کو پڑھے گا وہ دجّال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ اصحاب کہف کون تھے؟ قرآن مجید نے ان کو اس طرح Introduce کرایا ہے:

اِنَّهُم فِتیَةٌ اٰمَنُوا بِرَبِّهِم وَ زِدنٰهُم هُدًی (الکھف: ۱۳)

"کہ یہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تو اللہ نے ان کی ہدایت اور رہنمائی میں اضافہ فرمایا۔"

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اگر آپ اس کی طرف بڑھیں گے تو وہ آپ کو اور ترقی دے گا اور بڑھاتا چلا جائے گا۔ یہی بات ایک حدیث قدسی میں عجیب کیف آور انداز میں بیان کی گئی ہے کہ میرا بندہ میری طرف اگر چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ میرا بندہ اگر میری طرف ایک بالشت بھر آتا ہے تو میں اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہوں۔ یعنی اگر کوئی انسان اپنے رب کی طرف رخ کرے، اس کی رضا جوئی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالے تو پھر اللہ تعالیٰ جو بلند مراتب عطا فرمائیں گے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تو ان کے لیے خاص طور پر کہا گیا ہے کہ:

"وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تو ہم نے ان کی ہدایت کے اندر ان کو خوب ترقی دی۔"

●●●

آزادی کا اسلامی تصور

اسامہ عظیم فلاحی

آزادی دنیا کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ تکریم انسانیت کا ایک اعلیٰ معیار آزادی فکر و عمل ہے۔ دورِ جدید میں آزادی فکر و عمل کو سب سے بڑی قدر کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یورپ ایک طویل مدت تک چرچ کی جبریہ غلامی میں رہا۔ جب وہاں کے سائنسدانوں نے چرچ کے خلاف محاذ کھولا تو انہیں اس سے آزادی کے لیے بہت بڑی قیمت چکانی پڑی جس کی وجہ سے ان کے نزدیک اس کا تحفظ بھی سب سے بڑی ذمہ داری قرار پایا۔ چرچ اور سائنس کی کشمکش میں جب سائنس کو کامیابی ملی تو پھر اس نے مادر پدر آزادی کا راستہ اختیار کرلیا۔ چونکہ انہوں نے مذہب سے اپنے آپ کو یکطرفہ طور پر کاٹ لیا تھا اس لیے آزادی کے معانی اور مطالب کے تعین کے لیے ان کے پاس صرف انسانی عقل بچی رہ گئی۔ لیکن انسانی عقل کو اگر وحی کے تابع نہ کیا جائے تو یہ انسان کی کبھی صحیح رہنمائی نہیں کرسکتی۔ کیونکہ ہر انسان کی عقل اور خیر و شر کے پہچان کا معیار الگ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں آج بھی یہ عنوان بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔

اسلام ایک نظام زندگی کا نام ہے۔ یہ زندگی کے جملہ امور میں وحی کی روشنی میں ہر چیز کا مقام متعین کرتا ہے۔ آزادی کے اسلامی تصور کو مجموعی طور پر سمجھنے کے لیے اس کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنا ہوگا۔

آزادی کی اقسام:

آزادی مطلق:

مطلق آزادی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فرد سب کچھ کرنے کے لیے آزاد ہے اور اس کے عمل پر کوئی اسے روک ٹوک کرنے والا نہ ہو۔ اس معنی میں دیکھا جائے تو انسان اس تصور کے ساتھ زندگی نہیں گذار سکتا کیونکہ مطلق آزادی اس کے بس میں نہیں ہے۔ مطلق آزادی تو صرف اللہ رب العالمین کا خاصہ ہے۔ وہ اپنے عمل میں آزاد ہے۔ کوئی اس کو روک سکتا ہے نہ ٹوک سکتا ہے۔ وہ مالک الملک ہے۔ وہ زندگی اور موت کا مالک ہے۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ جب کہ دنیا کا کوئی فرد یہ دعویٰ ثابت نہیں کرسکتا کہ وہ مذکورہ بالا معنوں میں آزاد ہے۔ بڑا سے بڑا اور طاقتور انسان بھی کہیں نہ کہیں مجبور ہوتا ہے اور اس کو کچھ اصولوں کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ نیز دنیا کا کوئی بھی ملک اپنے افراد کو مکمل آزادی نہیں دیتے۔ ہر ملک میں کچھ قوانین اور اصول ہوتے ہیں جن کی پابندی ہر فرد کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اس لیے مطلق آزادی کا تصور انسان کے لیے ناممکن ہے۔

آزادی اقوام:

اقوام کی آزادی کی بحث تاریخ میں ہمیشہ رہی ہے۔ انسانوں میں ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہا ہے جو اپنے جیسے انسانوں کے گروہوں کو غلام بنانے کی کوشش میں رہا ہے۔ توسیع پسندی، اپنی انا کی تسکین، اور جذبہ تفوق جیسے جذبات قوموں کو غلام بنانے کی وجہ بنتے ہیں۔ جسمانی غلامی کو اسلام نے شدت سے رد کیا ہے۔ نیز اپنی اور دار الاسلام کی آزادی کو برقرار رکھنا فرض عین

قرار دیا گیا ہے۔ رسول پاک ﷺ کا اسوہ اس سلسلے میں بالکل واضح ہے کہ انہوں نے مدینہ کے تحفظ کے لیے کبھی بھی کوتاہی نہیں برتی۔ اس کی آزادی پر کئی دفعہ حملے ہوئے لیکن بے سروسامانی کے باوجود ہر حال میں اپنی آزادی کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئے۔

جسمانی غلامی کے ساتھ ساتھ کسی قوم کی فکری غلامی کو بھی اسلام ناپسند کرتا ہے اور ہر اس طاقت کو کچل دیتا ہے جو کسی قوم کو فکری طور پر غلام بنائے رکھنے پر مصر ہوتی ہے۔ اس طاقت کو کچل دینے کے بعد اسلام سارے انسانوں کو کھلی آزادی دیتا ہے کہ وہ چاہیں تو اللہ کے بندے بن کر تمام قسم کی بندگی سے آزاد ہو جائیں اور اگر وہ اللہ کی بندگی اختیار نہیں کرنا چاہتے تو اس میں بھی وہ آزاد ہیں۔ جبراً ان کی سوچ و فکر اور عقائد بدلے نہیں جائیں گے۔ یہ ان کا حق ہے جو خالق کائنات نے انہیں عطاء کیا ہے۔ اسلامی تاریخ میں انگنت مثالیں موجود ہیں کہ کس طرح سے افراد اور اقوام کو فکری اور مذہبی آزادی عطاء کی گئی۔ اس معاملے میں دنیا کا کوئی مذہب اسلام کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان آپس میں ضرور ٹکرائے لیکن اقلیتوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ مسلم ممالک میں آج بھی اقلیتوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو ہر طرح کے اپنے حقوق سے مستفید ہو رہی ہے۔ دوسری طرف دیکھا جائے تو کم و بیش ہر جگہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے حقوق پامال کیے جا رہے ہیں اور ان سے ان کا دین و ایمان چھیننے کی جبریہ کوششیں بھی سامنے آتی رہتی ہیں۔ برما کے روہنگیا مسلمان، روانڈا کے تتسی مسلمان، سری لنکائی مسلمان، فرانس کے مسلمان اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کہے جانے والے بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ ہو رہے امتیازی سلوک دور جدید کی تازہ مثالیں ہیں۔

بھارت میں مسلم اقلیت کو انتہائی سنگین خطرات کا سامنا ہے۔ حکومتی سطح پر اب کھلے عام ان کے خلاف قانون سازی ہوتی ہے، قوانین کے نفاذ میں غیر مساوی سلوک بالکل عام ہے۔ احتجاج کرنے والے افراد کے گھروں کو مسمار کرنا عام بات بن چکی ہے۔ عدلیہ کے فیصلوں میں امتیازی رویہ صاف نظر آ رہا ہے۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے ساتھ تقریباً غلاموں جیسا رویہ ہر سطح پر اپنایا جا رہا ہے۔ اسی ملک میں مسلمانوں نے ایک ہزار سال کے قریب حکومت کی لیکن کبھی یہاں کے عوام کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں اپنایا۔ تمام مذاہب کو تحفظ حاصل رہا جس کی سب سے بڑی دلیل یہاں پر مسلمانوں کا اقلیت اور ہندوؤں کا اکثریت میں ہونا ہے۔

سیاسی آزادی:

آزادی کی ایک قسم سیاسی ہوتی ہے۔ یعنی کوئی قوم، یا گروہ اپنے معاملات کے حل کرنے اور اپنے مستقبل کا آزادانہ فیصلہ کرنے میں کس قدر آزاد ہے۔ عالمی سطح پر دیکھا جائے تو دنیا پانچ خداؤں (امریکہ، روس، چین، برطانیہ، فرانس) کی جاگیر نظر آتی ہے۔ دنیا بھر کے ممالک کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ عالمی اداروں اور طاقتوں کے من کے مطابق پالیسیاں بنائیں۔ نہ ماننے کی صورت میں سنگین نتائج کا خوف دلایا جاتا ہے اور اکثر و بیشتر جنگ کی نوبت آجاتی ہے۔ دنیا کو غلام بنانے کا بیسویں صدی کا یہ طریقہ ہے۔ ملکی سطح پر دیکھا جائے تو کسی گروپ یا مذہبی اکائی کی سیاسی آزادی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ وہ سیاسی سطح پر کس قدر مضبوط ہے اور اکثریت کے جبر سے وہ کس قدر محفوظ ہے۔ بھارت کی مثال سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو 75 سالوں میں قانونی سطح سے لیکر انتظامی معاملات تک میں اس کے ساتھ غیر مساوی سلوک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ عیسائیوں اور سکھوں کو بھی اپنے اقلیت ہونے کا خمیازہ وقتاً فوقتاً بھگتنا پڑتا ہے لیکن حکومتی جبر کا سب سے زیادہ شکار مسلمان پہلے بھی رہے ہیں اور آج بھی ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ چہرے بدل گئے ہیں لیکن حالت نہیں بدلی۔ انسانوں کو دنیا کے مٹھی بھر لوگ اقتصادی، سیاسی، اور فکری غلام بنا کر اپنے شیطانی منصوبوں کے حصول میں لگے ہوئے ہیں۔ اس وقت ان کے مقابلے میں تنہا طاقت صرف اسلام اور اہل اسلام ہیں۔ اسی لئے یہ لوگ اسلام اور اہل اسلام پر چوطرفہ حملے کرتے رہتے ہیں۔ اس کی تازہ مثال افغانستان کی بیس سالہ جنگ ہے جب پوری دنیا اس پر ٹوٹ پڑی تاکہ اسلامی نظام ان کے مقابل کھڑا نہ ہو سکے۔ اس دوران پوری دنیا میں اسلامی دہشت گردی کے نام پر اسلام کے حقیقی سیاسی نظام کو فکری سطح پر ختم کرنے کے لیے سارے جتن کیے گئے جو کہ اب بھی جاری ہیں۔ یہاں پر اسلامی تصور آزادی اور اس کی آفاقیت کو سمجھنا ضروری ہے۔

اسلامی تصور آزادی کی آفاقیت:

اسلام سب سے پہلے انسان کو نفس کی بندگی اور غلامی سے آزادی دلاتا ہے اور اسے الہ واحد کی چوکھٹ پر جھکا دیتا ہے۔اللہ واحد کی بندگی قبول کرتے ہی انسان دنیا کی ہر قسم کی غلامی سے آزادی کا اعلان کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ سماج کی ظالمانہ رسم و رواج کا پابند نہیں رہتا۔ وہ ایسی حکومت کا ساتھ نہیں دے سکتا جو اس کے افکار و خیالات اور عقائد پر قدغن لگانے کی کوشش کرے۔بلکہ وہ ان سب کے خلاف جدو جہد کو اپنی آزادی کا تقاضہ سمجھتا ہے۔

انسانوں کا وہ گروہ جو اللہ کی بندگی اختیار کر لیتا ہے وہ لسانی، طبقاتی، ملکی اور علاقائی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔اس کے سامنے خیر و شر کا پیمانہ سرحدوں میں محدود نہیں ہوتا۔ وہ سارے انسانوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس گروہ نے جس رب کی غلامی اختیار کی ہے اس کی ربوبیت آفاقی اور عالمگیر ہے۔جس رسول کی پیروی کا اعلان کیا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت للعالمین ہے۔جس کتاب کو اپنی زندگی کا دستور بنایا ہے وہ ھدی للناس ہے۔اور پھر یہ کہ یہ گروہ خیر امت ہے جس کی سرشت میں لوگوں کے لیے صرف خیر ہی خیر ہے۔

جب اس گروہ کا خدا، رسول اور کتاب عالمگیر ہے تو پھر یہ گروہ انسانوں کی پیدا کردہ لکیروں کا غلام کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ گروہ نہ صرف اپنے آپ کو ہر طرح کی غلامی سے آزاد رکھنے کی جدو جہد کرتا ہے بلکہ ساری دنیا کو بندوں کی غلامی سے نکال کر آزادی کی نعمتوں سے بہرہ مند کرتا ہے اور انہیں اپنے آپ کے لیے آزادانہ فیصلہ کرنے کا اختیار عطاء کرتا ہے۔ یہی وہ فکر تھی جس کو لے کر دور اول کے مسلمان دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے اور پھر مشرق و مغرب میں ہر اس طاقت کو کچل دیا گیا جس نے انسانوں کو غلام بنا رکھا تھا۔ بدقسمتی سے مسلمان اپنا سبق بھول بیٹھے اور اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا کو پھر سے مختلف قسم کی غلامی میں جکڑ دیا گیا۔ یہ نئی غلامی اتنی خطرناک ہے کہ اس کو آزادی کے نام پر خوشنما بنا دیا گیا ہے اور مادی چکا چوند کے ذریعے اس پر رنگ چڑھا دیا گیا ہے جس کی چمک دمک سے بسا اوقات پڑھے لکھے افراد بھی دھوکا کھا کر آزادی کی اس نیلم پری پر دل ہار بیٹھتے ہیں۔کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ابھی تک پاؤں سے چمٹی ہیں زنجیریں غلامی کی
دن آجاتا ہے آزادی کا، آزادی نہیں آتی

انسانوں کی حقیقی آزادی کے لیے دیر یا سویر اہلِ اسلام کو اٹھنا ہی پڑے گا۔ یہ مشن کسی خاص گروہ، مسلک یا جماعت کا نہیں بلکہ امت مسلمہ کا مشن ہے۔اس کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایک ایسی آزادی کا جشن منائے جس کی کوکھ سے ایک نئی ظلمت نے جنم لیا ہو۔اس دن تو اسے یوم عہد منانا چاہیے کہ انسانوں کی حقیقی آزادی ہنوز باقی ہے اور امت مسلمہ پر جس کا حصول ایک قرض ہے۔

جواں ہے عزم تو پھر ظلم کی بربادی باقی ہے
غلامی ہے بہت ارزاں، ابھی آزادی باقی ہے

●●●

(بقیہ صفحہ ۱۱ کا)

کی غلام کی طرح خدمت کرے،کسی سے مانگ کر نہیں اپنی ہی کمائی کا دان دے،کسب معاش کے لیے کھیتی باڑی کرے، پرانے کپڑے پہنے، برہمن کا جوٹھا برتن مانجھے، برہمنوں کے منہ سے پران کتھا سماعت کرے، بھگوان نرسنگھ کی پوجا کرے، اسی طرح برہمنوں کو عقیدت کے ساتھ نمسکار کرے۔“

(نرسنگھ پران: ادھیائے: 58، اشلوک:10-13، ص:255)

یہ ہے وہ طبقاتی نظام اور برہمنواد و منواد جس کے لیے نرسنگھ بھگوان نے شودر راجہ ہرنیہ کشیپ کو قتل کیا اور جس کو نافذ کرنے سے نرسنگھ بھگوان خوش ہوتے ہیں اور جس کے مطابق زندگی گزارنے سے نرسنگھ بھگوان کا آشیرواد حاصل ہوتا ہے۔سوال یہ ہے کہ نئی پارلیمنٹ پر نصب کردہ اشوک کے شیروں کو نرسنگھ بھگوان کا روپ دینے کی کوشش کیا اس لیے کی گئی، برہمنوادی کرم کانڈ کے ذریعہ رسم نقاب کشائی کیا اس لیے انجام دی گئی ہے کہ برہمنواد اب اپنا وہ قدم اٹھانا چاہتا ہے جس کے لیے وہ اپنے رخ زیبا کو ہندوتو کے نقاب میں چھپا کر ایک لمبی مدت سے شبانہ روز محنت کر رہا ہے؟ یا یہ سب بتان وہم گماں ہیں؟

●●●

سفرِ ہجرت:
اعلیٰ منصوبہ بندی اور کامیاب حکمت عملی

اعیان شیخوپوری

ہجرت نبویؐ اسلامی تاریخ کا محیر العقول واقعہ، اہم ترتین موڑ اور عظیم تر اسلامی انقلاب کا سر چشمہ ہے۔ اسی طرح سیاسی، اقتصادی، آفاقی، معاشی اور معاشرتی امن وسکون کا منبع ہے۔ یقیناً نبیؐ سے پہلے بھی نبیوں نے اپنے اپنے شہروں کو خیر باد کہا تھا لیکن ہجرت نبویؐ عام ہجرتوں سے بالکل الگ نوعیت کی ہجرت تھی۔ آپؐ کی ہجرت آرام وراحت کے حصول کے لیے نہیں تھی اور نہ ہی آپؐ کا مقصد طلب شہرت، حصول جاہ ومنصب اور حبّ سلطنت تھا۔ خود اشراف قریش آپ کو حاکم بنانے اور آپ کے قدموں تلے مال وزر کے ڈھیر بچھانے کے لیے تیار تھے، لیکن آپ کا مقصد حد درجہ اعلیٰ اور ارفع تھا، اسی لیے جب آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کے پاس آ کر ان کے معبودوں سے تعرض نہ کرنے کی گزارش کی تو آپؐ نے عزم وہمت کا پیکر بن کر کہا:

”چچا جان بخدا اگر وہ ہمارے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں پھر بھی میں اس کام کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کردے یا اس راہ میں میں اپنی جان دے دوں۔“

اسی توکل اور بھروسے پر آپؐ نے ہجرت کی اور پھر تاریخ عالم نے دیکھا کہ کس طرح عرب ریگستان سے افریقہ کے چٹیل میدانوں تک، نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کا شغر دعوت اسلامی کے گرویدہ ہوتے چلے گئے۔ دنیا نے دیکھا جب جرنیل امین احکام خداوندی لے کر نمودار ہوئے ہیں تب حواری عالمؐ اپنی حکمت و تدبیر سے کفر والحاد اور دہریت وارتداد کا قلع قمع کرتے ہوئے عظیم اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

یہ ہجرت کی عظمت کا اعلان ہی ہے کہ قرآن حکیم میں کئی جگہوں پر اس کا تذکرہ کیا گیا ہے مثلاً سورۃ الانفال آیت نمبر ۳۰، سورہ یٰسین آیت نمبر ۹، سورہ توبہ آیت نمبر ۴۰، سورہ نساء آیت نمبر ۹۷ وغیرہ۔

ہجرت کے نتائج کا بغور وغایت مطالعہ نہیں صرف سرسری ہی نظر ڈالیں تو یہ بات ہمیں روز روشن کی طرح عیاں نظر آئے گی کہ ۹ ستمبر ۶۲۲ء سے شروع ہو کر ۴/اکتوبر ۶۲۲ء پر ختم ہونے والی اس ۲۶ روزہ سفر ہجرت نے نوع انسانی کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ عالم انسانی کو ایک نیا رخ عطا کیا۔ ناقابل تسخیر قیصر وکسریٰ کو تاراج کرتے ہوئے اسلامی تمدن کی بنیاد رکھی۔ مال ودولت کی چاہت کو ختم کرتے ہوئے ایثار وقربانی کے جذبے کو فروغ دیا۔ جوانمردی، عزم واستقلال اور ہمت کی داستانیں رقم کیں۔ عربی وعجمی، رنگ ونسل، خاک وخون کے امتیاز کو ختم کیا۔ پاکبازی، ایمانداری اور دیانتداری کو اعلیٰ ترین اقدار قرار دیا۔ گمرہی، ضلالت، استبداد اور معاشی استحصال کا قلع قمع کرتے ہوئے انسان کو ”ولقد کرمنا بنی آدم“ کے اعزاز سے سرفراز کیا۔ اطمینان قلب سے محروم

ذہنی اور فکری سطح پر مضطرب اہل عرب کے سامنے ایمان ویقین کی مشعلیں روشن کیں۔ مستحقین کو امداد فراہم کی۔ غریبوں، ناداروں اور بے کسوں کی خبر گیری کی، بیواؤں کی دادرسی کی، بے گھروں کو گھر عطا کیے، یتیموں کے سر پر دست شفقت رکھا، انصار ومہاجرین کے دلوں میں الفت ومحبت ڈال کر اخوت ومؤدت کے بے حد مستحکم اور اٹوٹ رشتہ قائم کیا۔ ذہنی، مذہبی، اخلاقی، سیاسی، سماجی غرض کہ زندگی کے ہر شعبہ میں فلاح و کامیابی کے جامع اور رہنما اصول وضع کیے۔ دین و دنیا، دونوں جہان میں کامیابی و کامرانی کے گر سکھلائے۔ سیاسی تدبیر وحکمت اور تنظیم سے صالح معاشرے اور اسلامی سیاست کی بنیاد رکھی، سیاست اور دین کو لازم وملزوم رکھا یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال کو بھی کہنا پڑا کہ:

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

حضورؐ کی ہجرت کے آثار ونتائج صرف اور صرف عرب کی تپتی ہوئی ریت ہی تک محدود نہیں تھے بلکہ ہجرت کے سبب کاروانِ بشریت و انسانیت بت پرستی اور جہالت کی تاریکیوں سے نکل کر علم اور توحید پرستی کی طرف گامزن ہو گئے۔ حضورؐ کے ہجرت نے انفرادی، اجتماعی اخلاقی قدروں سے ناآشنا اہل مدینہ کے ہاتھوں میں علم و توحید کا پرچم دے کر اخلاق وآداب سے آشنا ایک نئے اسلامی معاشرے کی داغ بیل ڈالی۔ مدینے میں پہلی بار اسلامی حکومت کی سنگ بنیاد رکھی۔

ہجرت سے قبل سرزمین عرب میں اسلامی حکومت اور اسلامی نظام سیاسی کا وجود نہیں تھا۔ خاندانی اور قبائلی جنگیں سالہا سال جاری رہا کرتی تھیں۔ لیکن حضورؐ کی تشریف آوری پر تمام مشکلات اور جنگوں کا خاتمہ ہو گیا اور اسلام دھیرے دھیرے پوری دنیا میں پھیلتا چلا گیا۔

ہجرت کا واقعہ ہمیں درس دیتا ہے کہ مال و دولت، عزت وشرف، جاہ وحشمت، زمین وجائداد، اہل وعیال اور رشتے ناطے بوقت ضرورت دین وایمان کی حفاظت کے لیے قربان کیے جاسکتے ہیں۔ اوس وخزرج کی طرح سالہا سال کی دشمنی بھلا کر باہم شیر وشکر رہا جاسکتا ہے۔ کوشش، تدبیر، محنت وحکمت، عزم، حوصلے اور ہمت سے مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس دنیائے آب وگل نے اعتماد ویقین اور تدبیر وحکمت کے روپ میں ہجرت کے دو بڑے نتائج دیکھے۔ مکہ میں اخلاق حسنہ کا فراخ دلی کے ساتھ مظاہرہ کرنے کے باوجود آپ کو دارارقم میں پوشیدہ طور پر"تعلیم دین" کا کام کرنا پڑتا تھا، نمازیں خفیہ طور سے ادا کرنی پڑتی تھیں۔ لیکن ہجرت نے وہ اعتماد بحال کیا کہ مغلوبیت غالبیت میں تبدیل ہوگئی، اسلامی احکام نافذ ہوئے۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اعتماد ویقین اور تدبیر وحکمت کو ہجرت کا واقعے سے بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں اہل مدینہ کو دولت اسلامیہ کے قیام پر آمادہ کرنا انہیں میں سے ۱۲ آدمیوں کو ان کا نقیب بنا کر حضرت عیسیٰؑ کے حوارین کا ہم پلہ قرار دینا، صحابہ کرامؓ کو پہلے مدینہ روانہ کرنا، خود بعد میں ہجرت کرنا، سواریوں کو کئی ماہ پہلے سے تیار رکھنا، رہبر کا انتظام کرنا، اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو سونے کی تلقین کرنا، غار ثور میں قیام کرنا یہ تدبیر وحکمت یا دانائی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن افسوس ہوتا ہے کہ آج ہم نے ہجرت کی روح کو فراموش کر دیا، اس کے نتائج سے روگردانی کی، اس کے پیغام کو اپنی زندگیوں سے غائب کر دیا۔ انصار ومہاجرین سارو یہ تو در کنار ہمارے اپنے گھروں میں تعلقات کا بگاڑ بام عروج پر پہنچا ہوا ہے۔ ہم محنت سے کوسوں دور لیکن گلی کوچے ہم سے آباد، محنت کے نام پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہوئے ہیں لیکن بازاروں کی رونق بھی ہم سے.....کاش کہ ہم ذرا ہجرت کے نتائج اور اس کے تقاضوں پر بھی غور کر لیتے!

سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۰۰ میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ:

"اور جو کوئی اللہ کی راہ میں اپنے وطن کو خیر باد کہہ دے وہ زمین میں رہنے کی بہت جگہ اور روزی میں کشادگی پائے گا۔"

ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی خاطر کوئی چیز چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر چیز عنایت کرتا ہے۔ مہاجرین کی مثال ہمارے سامنے ہے جب صحابہ کرامؓ نے اپنے گھر بار، اپنے اہل وعیال اور اپنے مال ودولت کو خیر باد کہہ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ نے زمین عرب کو ان کے لیے مسخر کر دیا۔ انہیں شام، ایران اور یمن کے خزانوں کی چابیاں عطا فرمادیں اور قیصر وکسریٰ کے خزانے ان کے قدموں میں لا کر ڈال دیے۔ کیا ہجرت کے نتائج سمجھنے کے لیے اتنا کافی نہیں؟ اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔ ●

نبوی درسگاہ کا تصور عصر حاضر میں

قدسیہ صباحت

دین اسلام وہ واحد دین ہے جس نے علم کی تحصیل وتدریس کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے۔ اللہ رب العزت نے جہاں انبیائے سابقین کو علم وحکمت کی عظیم دولت سے نوازا وہیں خاتم الانبیاء سید المرسلین محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانیت کا معلم بنا کر مبعوث فرمایا۔فرمان رسول ہے:

"انما بعثت معلما"

(مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے)

اس عظیم ذمہ داری کو رسولؐ اللہ نے جس جانفشانی اور کامیابی سے ادا کیا، دنیا میں کوئی اس کی مثال پیش نہیں کرسکتا لیکن ۔۔۔ امت محمدیہ ہونے کے ناطے ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ نبیؐ نے جس بہترین منہج تدریس کو اختیار کرتے ہوئے انسانیت کی تعلیم وتربیت فرمائی اسی منہج کو اپنا کر امت مسلمہ کی نوخیز نسلوں کی تعلیم وتربیت کا کام انجام دیں۔اور اس مقصد کے لیے ہمیں دورنبوی کے ان اوراق پر نظر ڈالنی ہوگی جو ہمیں رسولؐ اللہ کے نظام تعلیم، طریقۂ تعلیم اور آپؐ کے اختیار کردہ زریں اصولوں سے روشناس کرواسکیں۔

نبی اکرمؐ کے تعلیمی نظام کا دائرہ کار:

دورنبوی میں مساجد دینی درسگاہ کا کام انجام دیا کرتی تھیں۔جہاں ہر عام و خاص، چھوٹے، بڑے، بزرگ وجوان، خواتین اور بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام ہوا کرتا تھا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم عام مجالس میں بھی لوگوں کی اخلاقی و ذہنی تربیت فرماتے، ان کو درپیش مسائل کے تشفی بخش جواب دیا کرتے اور بعض مخصوص مجالس کے ذریعہ صحابہ میں ہی مفسر قرآن، فقیہہ ومحدثین بھی تیار فرماتے تھے۔اسی طرح ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے سپرد خواتین کے تعلیمی شعبہ کی ذمہ داری کی گئی تھی۔علم کی تحصیل کے لیے کوئی مخصوص یا محدود وقت مقرر نہ تھا۔اسی طرح طالب علم کے لیے عمر کی بھی کوئی قید نہ تھی۔

نبی کریمؐ کے تدریسی اصول:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہر فرد کی تعلیم وتربیت نرمی محبت اور شفقت سے فرماتے تھے۔غلطی کے باوجود سختی کرنے سے درگزر فرماتے، اور اپنے طالب علموں سے اس طرح گفتگو فرماتے کہ ہر ایک اپنے آپ کو نبیؐ کے سب سے زیادہ قریب سمجھتا تھا۔

تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ عام لوگوں میں نہایت گھل مل کر بیٹھتے اور اپنے آپ کو نمایاں ظاہر نہ کرتے تھے۔

بات کو واضح اور جامع انداز میں بیان فرماتے کہ مخاطب کو بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی۔اسی طرح موقع کی مناسبت سے سچے قصے اور مثالیں بھی بیان فرماتے۔

آپؐ کے قول وفعل میں تضاد نہیں تھا یعنی جس بات کی تعلیم لوگوں کو دیا کرتے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھاتے تھے۔

ہر انسان کو اس کی سمجھ کے مطابق تعلیم دیتے، اگر کسی بدو کو تعلیم دینا ہوتا تو دین کی آسان باتیں اس کے سامنے پیش کرتے اور صحابہ کے

درمیان ہوتے تو اس دور کے سخت حالات کے پیش نظر جنت کے تذکرے فرما کر ان کے لیے تسلی واطمینان کا ماحول فراہم کرتے۔

نبی اکرمؐ کا نصاب تعلیم:

بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس علم کی تدریس کے لیے معمور کیے گئے تھے اس کا اصل محور قرآن وسنت ہی تھا لیکن اس کے ساتھ آپؐ نے صحابہ کو مختلف عقلی علوم وفنون مثلاً ریاضی، طب اور غیر ملکی زبانوں بالخصوص اس زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے عبرانی زبان سیکھنے کی ترغیب فرمائی۔ اسکے علاوہ دور نبوی میں فن خطاطی، اسلحہ سازی، گھوڑ سواری، تیراکی، اورنشانہ بازی کی تربیت کا ثبوت بھی تاریخ میں ملتا ہے۔

عصر حاضر کی دینی درسگاہیں:

عصر حاضر میں جس نہج پر امت کی نوخیز نسلوں کی تعلیم وتربیت کا کام جاری ہے بظاہر تو اس میں کوئی خاص کمی نظر نہیں آتی لیکن روز بروز مدارس کا انحطاط کی جانب گامزن ہونا اور اصلاح معاشرہ کے اجلاس کی ضرورت پیش آنا اس بات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ ہمارے مدارس میں طلباء کی تعلیم پر تو توجہ صرف کی جاتی ہے لیکن تربیت کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی جاتی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے کس طرح اپنے اخلاق و کردار، احسان و مروت اور محبت وشفقت کے ذریعہ ایک جہالت زدہ معاشرے کو صالح و پاکیزہ معاشرے میں تبدیل کر دیا تھا۔۔۔یہی طریقہ اگر طلبۂ مدارس اور اہل مدارس کے لیے استعمال کیا جائے تو نہ صرف ان کی ذہنی و روحانی تربیت با آسانی ہوسکے گی بلکہ ایک صالح معاشرے کے قیام کے لیے وہ پہلے سے تیار ہوں گے۔

طلبہ پر نصاب کا ایسا بوجھ نہ ڈالا جائے کہ جس کا صحیح حق ادا کرنے سے وہ قاصر ہوں بلکہ ایسا نصاب نافذ کیا جائے جسے وہ باآسانی اپنے ذہنوں میں سما سکتے ہوں۔

قرآن وحدیث کی جو تعلیمات تدریس کے دوران طلباء کے سامنے لائی جائیں ان پر عمل کروانے کی جانب بھی توجہ دی جانی چاہیے۔

دینی درسگاہوں کے دروازے ہر عمر کے افراد کے لیے کھلے رہنے چاہیے، ساتھ ہی ان میں عمر، صلاحیت اور حیثیت کے لحاظ سے کوئی تفریق نہیں کی جانی چاہیے۔

دینی درسگاہوں میں مختلف فنون کی تدریس کا انتظام کرنا وقت کی اہم ضرورت بن چکی ہے۔ جو کہ مدارس کے منتظمین کے لیے مشکل ضرور ہوسکتا ہے لیکن ناممکن نہیں۔ طلباء کی ذہنی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انھیں مختلف فنون کی تربیت نہ صرف معاش کے سلسلے میں کارآمد ہوسکتا ہے بلکہ وہ اپنے دین کی خدمت فی سبیل اللہ انجام دے سکتے ہیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ تمام اہل مدارس کو نبوی منہج پر عمل کرتے ہوئے دین کے ان قلعوں کو مضبوط کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین!!

●●●

(بقیہ صفحہ ۴۱ کا)

اپنے گھیرے میں لے لیا حضرت ابودجانہؓ حضورؐ پر جھک گئے اور اپنی پیٹھ کو ڈھال بنالیا تا کہ حضورؐ تیروں سے بچے رہیں۔ خدا خدا کر کے لڑائی ختم ہوئی اور حضور ﷺ مدینے واپس آئے۔ حضرت ابودجانہؓ مدینہ میں حضورؐ کی خدمت میں رہتے تھے۔ بہت سادہ طبیعت کے آدمی تھے، جو مل جاتا اللہ کا شکر ادا کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ جب خلیفہ ہوئے تو ایک شخص مسلیمہ نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا اور بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس جھوٹے کے خلاف جنگ کے لیے حضرت خالد بن ولیدؓ کی سرداری میں جو لشکر بھیجا اس میں حضرت ابودجانہؓ بھی شامل تھے۔ انھوں نے شہادت کی آرزو میں سرخ رومال سر پر باندھا اور اس باغ میں کود گئے جہاں اس جھوٹے شخص نے اپنی فوج جمع کر رکھی تھی اور مورچہ بنا کر بیٹھ گیا تھا۔ دیوار پر سے کودنے سے حضرت ابودجانہؓ کی ٹانگ ٹوٹ گئی لیکن وہ اس وقت تک دروازے پر دشمنوں کا راستہ روکے کھڑے رہے جب تک کہ مسلمان اندر نہیں آگئے۔ پھر تو زور کی لڑائی ہوئی ٹانگ ٹوٹ جانے کے باوجود حضرت ابودجانہؓ اسلام کے دشمنوں سے لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ مسلیمہ مارا گیا اور اس کا لشکر برباد ہوگیا۔

شہید کا یہ مقام کیسا افق کے اس پار جاکے دیکھو
حیات تازہ کے کیا مزے ہیں ذرا یہ گردن کٹا کے دیکھو

●●●

اسوۂ ابراہیمی کا پیغام مسلمانوں کے نام

محمد مدثر ابچولی

اسلامی کلینڈر میں جہاں تمام مہینوں کی اہمیت اور فضیلت ہے وہیں ماہ ذی الحجہ کی بڑی اہمیت ہے۔ ذی الحجہ کا مہینہ اس ناحیہ سے اہم اور خاص ہے کہ اس مہینے میں اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے جو پانچواں رکن (حج) ہے اس کی ادائیگی ہوتی ہے۔ دنیا کے مختلف مقامات سے حجاج کرام کی ایک بہت بڑی تعداد مکہ مکرمہ کی جانب رخت سفر باندھتی ہے اور وہاں تمام ارکان کی ادائیگی کرتی ہے۔ حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے جسے وقوف عرفہ کہا جاتا ہے۔ اگر حاجی اس سے محروم رہ جائے تو اس کا حج قابل قبول نہیں ہوتا لہٰذا تمام حاجی عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں۔ وہاں پر دعائیں مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ذی الحجہ کی ۹ویں تاریخ کے روزے کی بھی اپنی جگہ بہت فضیلت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"من صام یوم عرفة غفر له سنتین سنة أمامه وسنة خلفه"

"جو شخص عرفہ کا روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دو سالوں کے، سال گذشتہ اور سال آئندہ کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔"

لہٰذا بہت سے بندگان خدا اس دن کا روزہ رکھتے ہیں واضح رہے کہ گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں۔ کبیرہ گناہوں کی معافی کے لیے اللہ کے حضور گڑگڑا کر معافی مانگنے سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

پھر ۱۰ویں ذی الحجہ کو حجاج کرام اللہ کی راہ میں اور ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے قربانی پیش کرتے ہیں۔ صحابہ کرام نے اللہ کے رسولؐ سے دریافت کیا تھا اے اللہ کے رسولؐ یہ اضحیہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

"سنة أبيكم إبراهيم"

"یہ تمہارے والد ابراہیمؑ کی سنت ہے۔"

چونکہ ان تمام چیزوں کا ابراہیمؑ کی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے اس لیے ہر مسلمان کے لیے یہ بات بہت ضروری اور اہم ہے کہ اس مہینے کی مناسبت سے ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو جاننے کی کوشش کریں اور جو ممکنہ وسائل ہوں ان کو اختیار کریں اور جو تقاضے ہیں ان تقاضوں کو عملی جامہ پہنانے کی بھرپور کوشش کریں۔

قرآن مجید میں ۲۵ سورتوں میں تقریباً ۶۳ مقامات پر ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہوا ہے۔ اور مختلف جگہوں پر آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہیں پر اجمالی طور سے اور کہیں پر تفصیلی طور سے۔ کہیں ابراہیمؑ کا باپ کے ساتھ مکالمہ کو نقل کیا گیا ہے تو کہیں قوم کی اصلاح کرتے وقت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ کہیں طاغوتی سسٹم کے چیف نمرود سے ڈیبیٹ کرتے وقت کا منظر نامہ پیش کیا گیا ہے تو کہیں بتوں کو پاش پاش کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ کہیں آگ میں جلنے کی سزا سنانے اور اس سے بچ جانے کا تذکرہ ہوا ہے تو کہیں ہجرت کی روداد سنائی گئی ہے اور کہیں پر نور نظر کے حلقوم پر چھری پھیرنے کے دلخراش منظر نامے کو بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت زمین و آسماں حیرت سے اطاعت و فرماں برداری کے جذبے کو سراہ رہے تھے اور انسانیت کی فضیلت اور احسن تقویم کا مصداق ٹھہرا رہے تھے۔

آپؑ کی پیدائش مقام اُر میں ایک بت پرست کے گھر میں ہوئی۔ آپکا باپ ایک اعلیٰ درجے کا بت پرست اور بت تراش تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہے کہ وہ چاہے تو کافر کے گھر میں موحد اور موحد کے گھر میں کافر کو پیدا کردے۔ جسکی مثال ہمیں لوط اور نوح علیہ السلام میں ملتی ہے۔ آپ دونوں خود نبی تھے لیکن کسی کی بیوی کافر تھی تو کسی کا بیٹا کافر۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ خود تو توحید پرست تھے لیکن آپ کا باپ بت پرست تھا۔ جس ماحول میں آپ کی پیدائش ہوئی وہ کفر و شرک اور بت پرستی کا مرکز تھا۔ آپ اس گھٹا ٹوپ تاریکی میں تشریف لاتے ہیں تاکہ ہدایت کی روشنی سے تمام تاریکیوں کو ختم کردیں۔

آپ جب سن شعور کو پہنچے اور قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر پتھر کے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرتی ہے اور معبود حقیقی کو بھلا بیٹھی ہے تو آپ اس پر بے چین اور مضطرب ہو گئے اور ان کو ہدایت کی راہ پر لانے کے لیے سرگرم عمل ہو گئے اور جو مشکلات پیش آئیں ان کو خوشی خوشی برداشت کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو کس عمر میں نبوت عطا کی گئی اس بات کی صراحت نہیں ملتی، البتہ قرآن کی ایک آیت ”قالوا سمعنا فتي يذكرهم يقال له إبراهيم“ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس وقت آپ کام لے کر کھڑے ہوئے تو آپ جوان ہو چکے تھے۔

ابراہیمؑ نے آزمائش کے بہت سارے مراحل طے کیے اور کامیاب و کامران ہوئے۔ کبھی دعوت پیش کرنے کی پاداش میں باپ کی دھمکی سہنا تو کبھی حق کی پاداش میں نار نمرود میں جانا۔ کبھی ہجرت کرنا تو کبھی بیوی اور بچے کو بے آب و گیا صحرا میں اللہ وحدہ کے بھروسے چھوڑ دینا اور آخر میں اللہ کے حکم پر بیٹے کی قربانی کا حکم بجا لانا۔ جب آپ نے قوم کو توحید کی دعوت دی تو کھلبلی سی مچ گئی اور طاغوتی سسٹم بوکھلا گیا۔ وہاں پر اصل مسئلہ جو تھا وہ اللہ کی ذات کے انکار کا مسئلہ نہیں تھا۔ وہاں پر جو سسٹم (طاغوتی نظام) تھا، ابراہیم علیہ السلام اس سسٹم کی بیخ کنی کرنا چاہ رہے تھے جسکی وجہ سے سب جان کے دشمن ہو گئے اور یہیں سے باہم کشمکش جاری ہو گئی لیکن آپ نے اپنے کام کو جاری رکھا اور قوم کو راہ پر لانے کی تدبیر کرتے رہے۔

انسانی فطرت کسی چیز کو عملاً ہوتا دیکھ کر اس سے بہت متاثر ہوتی ہے یا آپ اپنی سمجھ کے لیے یوں کہہ لیجیے کہ (پریکٹیکل) اسے بہت سمجھ میں آتا ہے۔ ابراہیمؑ نے قوم کو ہدایت پر لانے کے لیے کئی تدابیر کر چکے تھے لیکن اب آپ نے ارادہ کر لیا کہ قوم کو اسی کی زبان میں سمجھایا جائے۔ چونکہ آپ کی قوم کا ایک تہوار کا دن تھا۔ اس دن تمام لوگ میلے چلے جاتے تھے۔ تہوار کا دن آیا تو سبھی میلے کے لیے جا رہے تھے۔ ابراہیمؑ سے بھی میلہ میں چلنے کو کہا گیا لیکن آپ نہ گئے۔ قوم کے جانے کے بعد وہ ان کی عبادت گاہ (مندر) میں گئے اور وہاں رکھے ہوئے بتوں کو ایک لائن سے توڑنا شروع کر دیا سوائے بڑے بت کے۔ قرآن مجید نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔ سورہ صافات آیت ۹۱ تا ۹۳ میں آیا ہے:

”پس آپ چپکے سے ان کے معبودوں کے پاس گئے اور کہنے لگے تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہو گیا کہ بات تک نہیں کرتے ہو؟ اور پھر دائیں ہاتھ سے (پوری قوت کے ساتھ) انہیں مارنے پر پل پڑے۔“

جب قوم کے لوگ میلہ سے واپس ہوتے ہیں اور عبادت کی غرض سے مندر جاتے ہیں تو وہاں پر ان کی حالت زار کو دیکھ کر آگ بگولہ ہو جاتے ہیں اور آپس میں چہ مہ گوئیاں کرنے لگتے ہیں کہ ہمارے ان معبودوں کی یہ درگت کس نے بنائی؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ قوم میں ایک نوجوان ہے جس کا نام ابراہیم ہے وہ آئے دن ہمارے معبودوں کی توہین کرتا رہتا ہے۔ اس نے یہ حرکت کی ہوگی۔ قرآن نے یہ منظر بھی دکھلایا ہے:

”اور اللہ کی قسم میں تمہارے معبودوں کے ساتھ جب تم پیٹھ پھیر کر چل دوگے ایک چال چلوں گا، پس اس نے ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہاں صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا۔ یہ بھی اس لیے کہ وہ سب اس کی طرف ہی لوٹیں، کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے، بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔“

(انبیاء:۵۷ تا ۶۰)

اس کے بعد ابراہیمؑ کو بلایا جاتا ہے پھر وہاں پر مکالمہ ہوتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ بڑے بت سے پوچھو۔ وہ کہنے لگے کہ ابراہیم تم تو جانتے ہو کہ یہ بول نہیں سکتے، چل پھر نہیں سکتے تو ان میں اتنی سکت کہاں ہے کہ یہ کچھ کرسکیں؟ آپؑ اسی انتظار میں

تھے فوراً کہا کہ یہی بات تو میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو، جب وہ اپنے دفاع کی سکت نہیں رکھتے تو تمہاری فریادرسی کیسے کریں گے؟ لیکن وہ نہ مانے۔ گویا قرآن مجید میں جو آیات مذکور ہیں جن کا مفہوم یہ ہیکہ ان کے پاس دل تو ہیں لیکن سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں لیکن دیکھتے نہیں اور کان ہیں لیکن سنتے نہیں۔ یہ قوم اس آیت کی مکمل عملی تصویر تھی۔

آپ کی بات سے قوم اور قوم کا بادشاہ جانی دشمن ہوگیا اور آپ کو آگ میں جلانے کا حکم صادر ہوگیا۔ طاغوتی سسٹم کی خباثتوں میں سے ایک خباثت یہ بھی ہے کہ جب وہ میدان ہار جاتا ہے تو جبر و قہر پر آمادہ ہو جاتا ہے اور طاقت کا غلط استعمال کرنے لگتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی حفاظت فرمائی۔

ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم کی ہدایت کی راہیں مسدود دیکھی تو ہجرت کا ارادہ فرمایا تاکہ اس بنجر زمین سے نکل کر زرخیز زمین میں جا کر دعوت کا کام انجام دیں جس کے نتیجے میں اسلام کی لہلہاتی فصل تیار ہو۔ قرآن میں ہے:

وقال إني ذاهب إلي ربي سيهدين رب هب لي من الصالحين فبشرناه بغلام حليم فلما بلغ معه السعي قال يا بني إني أري في المنام اني أذبحك فانظر ماذا تری قال يا أبت افعل ماتومر.....سلام علي إبراهيم.

"اور ابراہیم نے کہا: میں تو ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں۔ وہ ضرور میری رہنمائی کریگا۔ اے میرے رب مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما۔ تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ (بچہ) اس کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا میرے پیارے بچے میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ابا! جو حکم ہوا ہے اسے بجا لائیے۔ ان شاء اللہ، آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائینگے.... ابراہیم پر سلام ہو۔" (الصافات: ۹۹ تا ۱۰۹)

آپ ہجرت کرتے ہوئے کئی مقامات سے گزرے اور وہاں پر کام کیا۔ چونکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی عمر ڈھل رہی تھی لہٰذا آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ اے پروردگار۔ مجھے نیک و صالح اولاد عطا فرما۔ واضح رہے کہ آپ نے بیٹے کی استدعا اس لیے نہیں کی تھی کہ آپ اسے پراپرٹی کا وارث بنائیں اور جو مال و دولت ہے وہ لڑکا اس کا وارث بنے۔ ابراہیمؑ ہماری طرح نہ تھے بلکہ وہ نبی تھے اور نبی جو سوچتا ہے وہ ہر چیز میں اپنے مشن کو سامنے رکھتا ہے۔ ابراہیمؑ نے اولاد کی دعا اس لیے کی تھی تاکہ ان کے بعد اس کام کو جو ابراہیم علیہ السلام لے کر اٹھے تھے وہ جاری رکھ سکے، طاغوتی نظام سے ٹکر لے سکے، ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکے اور فسطائی طاقتوں کا قلع قمع کر سکے۔ لہٰذا اللہ نے آپ کو اولاد صالح کی بشارت سنائی۔ قرآن میں ہے فبشرناہ بغلام حلیم۔

عمر کے اخیر حصے تک ابراہیم علیہ السلام کئی آزمائشوں سے گزر چکے تھے لیکن ابھی آپ کی سب سے بڑی آزمائش باقی تھی۔ وہ آزمائش یہ تھی کہ اپنے نور نظر، لخت جگر کو اللہ کی راہ میں قربانی کے لیے پیش کرنا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے سامنے یہ مدعا بیان کیا تو بیٹے نے باپ سے کہا: ابا محترم آپ کو جو حکم ملا ہے کر ڈالیں۔ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ آپ اسماعیل کو قربان گاہ لے گئے اور حکم خداوندی کے مطابق بیٹے کے گلے پر چھری پھیرنے لگے لیکن چھری نے اسماعیلؑ کا گلا نہ کاٹا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اسماعیل کی جان لی جائے بلکہ اصل ابراہیمؑ کی آزمائش تھی کہ کہیں بیٹے کی محبت میں آ کر ابراہیم رب کی محبت میں کچے تو نہیں پڑ گئے ہیں۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام اس آزمائش میں بھی کامیاب و کامران ہوئے اور اس عظیم الشان قربانی کے بدلے میں قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے قربانی کا حکم جاری کر دیا تاکہ لوگ ابراہیمؑ کی اطاعت گزاری اور فرمانبرداری کو دیکھ سکیں کہ اللہ کے اس بندے نے کس اعلیٰ درجے کی اطاعت شعاری کا عملی ثبوت پیش کیا۔ اس طرح سے ابراہیمؑ کی زندگی تمام لوگوں کے لیے اسوہ حسنہ قرار دے دی گئی۔

محترم قارئین کرام! ذی الحجہ کا مہینہ ہر سال آتا ہے اور گزر جاتا ہے لیکن کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ اللہ نے ہمیں قربانی کا حکم کیوں دیا؟ کیوں قربانی کے نام پر کروڑوں جانوروں کا خون بہایا جاتا ہے؟ کیا ہم نے کبھی اس مقصد کو سمجھا یا صرف غیر شعوری طور پر یہ کرتے چلے آرہے ہیں؟ اگر ابھی تک نہیں سمجھے تو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حالات کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ اسوۂ ابراہیمی کو اپنے سامنے رکھا جائے۔

قربانی کا مقصد یہ ہے کہ ہر سال ابراہیمؑ کی

سنت یاد کی جائے اور لوگوں کے ذہنوں میں ابراہیم کی یاد تازہ ہو جائے کہ ایک بندہ خدا نے کس طرح اطاعت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا کہ جب اس کے رب نے کہا۔ أسلم۔ تو اس نے کہا: اسلمت لرب العالمین۔ جب ہجرت کا حکم ہوا تو ہجرت کر گئے۔ جب کہا کہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو اللہ کی راہ میں قربان کرو تو اس کے لیے فوراً کمر بستہ ہو گئے اور ذرا بھی نہ ہچکچائے بلکہ پوری خوش دلی سے اس حکم کو بجالائے۔

حضرت ابراہیمؑ کی زندگی سے بہت سے پیام ملتے ہیں جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(۱) ہر مسلمان پکا موحد بنے۔ جب تک توحید نہیں ہوگی آدمی کسی مقام پر ثابت قدم نہیں رہ پائے گا۔

(۲) آس پاس کا ماحول کتنا ہی کفریہ اور طاغوتی ہو ہمیں اس ماحول میں ڈھلنے کے بجائے ماحول کو بدلنے والا بننا ہوگا۔ اس کے لیے اللہ سے دعا اور اس کی ذات پر کامل یقین رکھنا ہوگا۔

(۳) ہمارے کردار اعلیٰ درجے کے ہوں تاکہ دعوت کی راہ میں ہمارے کردار کی وجہ سے کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

(۴) طاغوتی نظام کو ٹھنڈے پیٹ کبھی برداشت نہ کرنا بلکہ اس نظام کی بیخ کنی کے لیے سرگرم عمل رہنا۔

(۵) اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کا جذبہ کہ جب اللہ کہہ دے اسلم تو ہمارا کہنا ہو کہ اسلمت لرب العالمین۔

(۶) جب دعوت کا میدان تنگ ہو جائے تو کسی ایسی جگہ ہجرت کر جانا جہاں دعوت کو کھلے طور سے پیش کیا جاسکے۔

(۷) پھر ایک آخری مرحلہ آتا ہے کہ جب شریعت ہم سے ہماری جان کا مطالبہ کرتی ہے تو اس وقت ہمیں اپنی جان پیش کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہونا چاہیے۔

قربانی کا مقصد بھی یہی ہے کہ جس طرح سے اللہ کے حکم پر لاکھوں جانوں کو قربان کر دیا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح جب اسلام کی خاطر مرمٹنے کا ہم سے مطالبہ کیا جائے تو اس وقت ہم اپنی جان لٹا دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسوہ ابراہیمی اور اسکے مقصد کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا
آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

●●●

احادیث نبویؐ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: شہدائے کرام جنت کے دروازے پر نہر بارق پر سبز قبہ میں ہیں اور ان کا رزق انہیں صبح و شام پہنچتا ہے۔ (مسند احمد، مستدرک، طبرانی)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بندے قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے کھڑے ہوں گے تو کچھ لوگ اپنی تلواریں گردنوں پر اٹھائے ہوئے آئیں گے، ان سے خون بہہ رہا ہوگا، وہ جنت کے دروازوں پر چڑھ دوڑیں گے، پوچھا جائے گا یہ کون ہیں؟ جواب ملے گا یہ شہداء ہیں جو زندہ تھے اور انہیں روزی ملتی تھی۔ (طبرانی، مجمع الزوائد)

حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بھی جنت میں داخل ہوتا ہے وہ پسند نہیں کرتا کہ دوبارہ دنیا کی طرف لوٹ جائے اور اسے دنیا کی ہر چیز دے دی جائے، مگر شہید (اس کا معاملہ یہ ہے) کہ وہ تمنا کرتا ہے کہ وہ لوٹ جائے اور دس مرتبہ قتل کیا جائے۔ (راہِ خدا میں بار بار شہید کیا جائے) (صحیح بخاری، صحیح مسلم، بیہقی)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جان لو! کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ (صحیح بخاری)

●●●

اصل کامیابی اور اس کا معیار

شاہد علی یوسد

انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہر چیز میں کامیاب ہونا چاہتا ہے۔ ناکامی اسے پسند نہیں۔ انسان دنیاوی زندگی کے ہر میدان میں ترقی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب تو اس نے چاند تک رسائی حاصل کرلی ہے۔ نئی نئی ایجادات کے ذریعہ اس نے حیران کن کامیابیاں حاصل کرلی ہیں۔ آج کی اس دوڑ بھری زندگی میں ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے پاس بھرپور مال و دولت ہو، آسائش و زیبائش کا مکمل سامان ہو، اچھی تجارت ہو، بڑی سے بڑی نوکری ہو، عمدہ و عالی شان مکان ہو، عمدہ سواری اور بہتر و قیمتی لباس ہو صحت و توانائی ہو، نام بھی مشہور ہو اور اس سے آگے بڑھ کر اقتدار بھی اس کے پاس ہو وغیرہ۔ اور پھر ان تمام کو حاصل کرنے میں صحیح وغلط، حرام وحلال، اخلاق و کردار، تہذیب و تمدن یہاں تک کہ اس کے انجام تک کو بھول جاتا ہے۔

دین اسلام کے علاوہ کوئی ایسا مذہب نہیں کہ جس نے انسانی زندگی کا مقصد بتایا ہو۔ اسلام کی تعلیمات میں بتایا گیا ہے کہ ہم نے جن اور انسان کو محض اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے کہ جس نے انسان کے مقام اور مرتبے کو واضح کیا کہ انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا اور اس کو ہر طرح کی صلاحیتوں اور اختیارات سے نوازا اور اسے سمجھنے، بولنے اور فیصلہ لینے کی قوت عطا کی۔ پھر اللہ نے انسان کو دو راستے دکھلا کر واضح کردیا۔ ایک یہ کہ وہ سیدھی راہ پر چلے اور جنت اس کی منزل ہو یا پھر دوسرا یہ کہ غلط راہ پر چلے اور اس کی منزل جہنم ہو۔ انسان کو پھر متنبہ فرمادیا کہ جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرا برابر بھی بدی کی ہوگی اسے وہ دیکھ لے گا۔ اور پھر خاص مدت تک مہلت دے کر انسان کو دنیا میں چھوڑ دیا۔ اصل میں کامیابی کیا ہے؟ اب یہ انسان ہی کو طے کرنا ہے آئیے یہ دیکھیں کہ اسلام نے مومنین کے لیے کامیابی کیا بتایا ہے۔ قرآن مجید میں فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز کہا گیا کہ اصل کامیابی یہ ہے کہ انسان جہنم سے بچا لیا جائے اور جنت میں داخل ہو جائے۔ عربی میں کامیابی کے لیے فلاح، سعد، نجاح جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اسلام دو طرح کی کامیابی کا تذکرہ کرتا ہے، ایک دنیاوی کامیابی جو عارضی، ختم ہونے والی، فنا ہونے والی، زوال پذیر ہے۔ اور دوسری آخرت کی کامیابی جو باقی رہنے والی، لازوال، پائیدار اور بہتر ہے۔ اسی لئے نبیؐ نے فرمایا: لوگو تم دائمی کو عارضی پر ترجیح دو۔

اسلام نے اصل کامیابی کا معیار کیا رکھا ہے، قرآن وحدیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ انہیں رزق دیا گیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس پر اور اس سے پہلے، آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ (البقرۃ)

(۲) جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (لقمان)

(۳) فلاح پا گئے مومنین، جو نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں لغویات سے دور، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر وہ قابل ملامت نہیں، زکوۃ کے طریقے پر عامل، اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں، یہی وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے (المومنون)

(۴) سورہ عصر میں بتایا گیا ہے کہ نقصان

سے وہی لوگ بچے ہوئے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے، نیک اعمال کیے، حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہیں۔(العصر)

(۵) ایک اور جگہ قرآن میں کہا گیا کہ ایمان والے کہتے ہیں کے ہم نے اللہ کا حکم سنا اور اطاعت کرلی اصل میں کامیاب یہی ہیں۔(النور)

(۶) دین اسلام کی مدد اور نصرت کے حوالے سے قرآن نے کہا کہ جو اللہ کے رسول پر ایمان لائے اور اس کی حمایت اور نصرت کی اور اس نور کی پیروی اختیار کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن مجیدش وہی فلاح پانے والے ہیں(الاعراف)

(۷) سورۃ توبہ میں کہا گیا کہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جان اور ان کے مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں (جنت کا وعدہ) پختہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہے(التوبہ)

(۸) رسول اور اہل ایمان نے اپنی جان اور مال سے جہاد کیا اور اب ساری بھلائیاں انہی کے لئے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں (التوبہ)

جب اس طرح کی آیات سے مومنین کو خوشخبریاں ملتی ہیں تو پھر ان کے لیے ہر قسم کی قربانی دینا آسان ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، بغیر کسی خاص وسائل کے بدر میں اترنا آسان ہوگیا، چھوٹی سی تعداد نے ایک بڑے لشکر کو پچھاڑ دیا۔ بوڑھے، معذور بچے اور عورتوں تک نے بہت سارے موقعوں پر قربانیاں دیں۔ سیرت کی کتابوں میں بہت سارے واقعات ہمیں پڑھنے کو ملتے ہیں۔

(۹) جو خودغرضی سے بچ گیا وہ کامیاب ہے (الطلاق)

(۱۰) سنو! یقیناً وہ اللہ کے دوست ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقوی اختیار کیا، ان کے لئے کسی رنج وخوف کا مقام نہیں۔ دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں ان کے لئے بشارت ہی بشارت ہے، اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے (یونس)

(۱۱) جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا، نفس کی برائی سے بچا، اپنی خواہشات نفس سے باز رہا جنت اس کا ٹھکانہ ہوگی (النازعات)

(۱۲) فلاح پا گیا وہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا(الاعلی)

(۱۳) جو لوگ شیطان کے بہکاوے میں نہیں آتے اور غلط کاموں میں نہیں پھنستے ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور بات کرو تو سیدھی سچی بات کرو اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا، جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی (الاحزاب)

(۱۴) جو لوگ برائی سے روکیں اور نیکی کا حکم دیں تو ایسے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں (آل عمران)

آپؐ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت اسی انداز میں کی تھی، اسی لیے صحابہ کرامؓ کو اسلام کے ہر تقاضے پورا کرنے میں آسانی پیدا ہوئی۔ آپ نے احادیث مبارکہ بھی اس حوالے سے پیش فرمائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ من کان کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنہ یعنی جس کا آخری کلمہ لا الہ الا اللہ ہوا وہ جنت میں داخل ہوگیا(مشکوٰۃ)

ایک حدیث کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ جس نے قبر کے سوالات کے جوابات دیے وہ کامیاب ہے اور جس نے حشر کے میدان میں اللہ کی عدالت میں پانچ سوالات کے جوابات دیئے وہ کامیاب ہوا، جس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا گیا وہ کامیاب ہوا، اعمال نامہ میزان میں جب تولا جائے اور نیکیوں کا پلڑا بھاری پڑ جائے تو وہ شخص کامیاب ہے اور جب پل صراط قائم ہو اور اس پر سے جو آسانی سے گزر جائے تو وہ کامیاب ہے۔

عزیز قارئین کرام! ہمارے لیے اللہ نے پانچ مرتبہ کامیابی کی طرف آنے کی دعوت کا انتظام فرمایا ہے جب موذن کہتا ہے حی علی الفلاح آؤ کامیابی کی طرف۔ ہر مومن اپنی انفرادی زندگی کا جائزہ لے کہ اس صدا پر ہم لبیک کہتے ہیں یا نہیں اور ہمارے قدم کدھر جاتے ہیں۔ نبی کا اسوہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جب بھی آپؐ گھر پر ہوتے اور جب مؤذن حی علی الفلاح کی صدا لگاتا تو آپ فوراً اٹھ کر چلے جاتے گویا ایسا لگتا کہ آپ گھر والوں کو پہچانتے ہی نہیں۔ اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے میں آپؐ ہر وقت تیار رہتے تھے کیونکہ اللہ کی رضا مندی ہی بڑی کامیابی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے اس کے علاوہ بھی قرآن مجید میں اور احادیث مبارکہ میں کامیابی کے معیارات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اسے ہم پڑھیں اور انہیں اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنے کی کوشش کریں۔ اللہ ہم سب کو اصل کامیابی کو پہچاننے اور اس کو حاصل کرنے والا بنائیں۔ آمین ●

اسلام کا نظامِ امن و جنگ

ابو الفیض اعظمی

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی بلاد عرب کے مشہور مصنف، صحافی اور ایک سرگرم تحریکی کارکن تھے۔ ملک شام میں اخوان المسلمون کا قیام آپ کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ آپ کا بڑا کارنامہ امت مسلمہ خاص طور پر مصر و شام اور فلسطین کے مسلمانوں کو احساس کمتری سے نکال کر تہذیب وثقافت اور اسلامی تشخص پر ان کا اعتماد بحال کرنا تھا۔ ساتھ ہی مسلمانوں کے علوم وفنون اور تہذیب وتمدن پر مستشرقین کے الزامات کا ازالہ اور اس کا حقیقی تصور امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنا تھا۔ آپ نے مستشرقین کا تصور سنت، السیرۃ النبویہ دروس و عبر، اسلامی تہذیب کے درخشاں پہلو، عبداللہ بن مبارک، اسلام میں سنت و حدیث کا مقام وغیرہ کتابیں لکھ کر امت کی فکری طور پر رہنمائی کی اور اسلامی تشخص کو اجاگر کیا۔

زیر نظر کتاب (اسلام کا نظام امن و جنگ) جس عنوان کے تحت لکھی گئی ہے یہ ہمیشہ موضوع بحث رہا ہے۔ اس کی آڑ میں یہود ونصاریٰ نے بہت فتنے پیدا کیے، انہیں کے بطن سے نکلے مستشرقین نے علمی سطح پر اسلام کی شبیہ خراب کرنے کی کوشش کی لیکن ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے امت کے اندر کچھ ایسے صالح نوجوانوں کو پیدا کیا جنھوں نے ان سے علمی، فکری، لسانی، تہذیبی اور عملی ہر میدان میں جہاد کیا یہاں تک کہ یہ میدان جنگ میں بھی اپنے تمام تر اسلحوں اور جدید ٹیکنالوجی کے باوجود بوریہ نشین کہلانے والے عملی اور فکری طور پر مضبوط اہل ایمان کا مقابلہ نہ کرسکے۔ اسلام میں جنگ وجدال کے کیا تقاضے ہیں؟ کس طرح کے جنگ وجدال کو اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کہا ہے؟ اور کسے جہاد بالطاغوت؟ اس کے واضح ثبوت ہمیں قرآن و حدیث کے علاوہ آپؐ اور آپؐ کے اصحاب کی زندگیوں میں ملتے ہیں جن سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ لیکن ہم مسلمان اس چکا چوند رنگ رلیوں میں کھو کر باطل کے گمراہ کن پروپیگنڈوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس کتاب میں اسلام میں امن وسلامتی کی بنیادیں، قیام امن کے لیے داخلی و خارجی نظام، امن عالم کی حفاظت کے لیے جنگ، اسلام میں نظام جنگ، جزیہ سے متعلق چند ضروری وضاحتیں، تاریخ میں اسلامی جنگوں کی حقیقی صورتحال وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔

”امن و جنگ کے سلسلے میں مسیحیت کا موقف“ کے تعلق سے موصوف لکھتے ہیں:

”مسیحیت نے امن و جنگ کے مسئلے کا روحانی اور اخلاقی حل پیش کیا۔ یہی حل عیسیٰؑ کی زندگی میں تھا اور ان کے نمائندوں اور تلامذہ کی زندگیوں میں بھی۔ عیسیٰؑ نے اپنے پیروؤں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

”اپنے دشمنوں سے محبت کرو، اپنے لعن طعن کرنے والوں کے لیے کلمہ خیر کہو، اپنے بغض رکھنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور جو تمہارے ساتھ بدسلوکی کریں یا تمہیں بھگائیں ان کے لیے دعائے خیر کرو تو تم اس ہستی کی نگاہ میں محبوب ہو جاؤ گے۔“ (انجیل متی) انھوں نے اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیمات صرف اس لیے دی ہے کہ ان سے قیام امن میں مدد ملتی ہے اور ان کے ذریعے سے بغض وحسد کے عوامل کا سد باب ہوتا ہے، لیکن عیسیٰؑ کا دعوتِ امن کے سلسلے میں موقف عبادت گاہوں کے واعظین کا

موقف نہیں ہے جوایک آنکھ کھولتے ہیں اور دوسری بھینچتے ہیں۔" (ص:۱۱، ۱۲)

مزید آگے لکھتے ہیں:

"ایسے لوگوں کے لیے عیسیٰ نے سخت جنگ کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے:

"تم یہ گمان نہ کرو کہ میں زمین پر محض وعظ کے ذریعہ امن قائم کرنے کے لیے آیا ہوں بلکہ بہ زور شمشیر امن قائم کرنے کے لیے آیا ہوں۔" (متی)"

"جس کے پاس پرس ہو وہ اسے پکڑ کر رکھے اور جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ اپنا کرتا بیچے اور اس سے تلوار خریدے۔" (لوقا)

یہ دراصل امن کے دشمنوں کے لیے دھمکی آمیز اعلان ہے۔ یہ انھیں خبردار کرنے کے لیے ہے جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور عوام کو آزادی عقیدہ اور امن و محبت کی خوش گوار فضا سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح گویا عیسیٰ نے ان لوگوں کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے جو جنگ برپا کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کو امن و سلامتی کی بشارت دی ہے جو زمین میں نہ بڑے بننا چاہتے ہیں اور نہ سرکشی کرتے ہیں۔" (ص:۱۲)

"اسلام کا موقف" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"رہا اسلام تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ "السلام" کے مادے سے بنا ہے اور اسلام، سلام دونوں کا مادہ ایک ہے۔ سلام کے معنی سراپا امن و سلامتی ہے اور اسلام تو دراصل دل و جان اور جسم کے ساتھ نظام حق و خیر کی پاس داری و تابع داری کا نام ہے۔ اور مسلمان وہ ہے جو مالک دو جہاں اللہ رب العالمین کے احکام کے سامنے سپر انداز ہو جائے۔" (ص:۱۳)

آگے لکھتے ہیں:

"قرآن کی آیات کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۳ سے زیادہ آیات میں لفظ "سلم" اور اس مادے سے بنے ہوئے الفاظ موجود ہیں۔ دریں اثنا لفظ "حرب۔ جنگ" پر مشتمل آیات صرف چھ ہیں۔ ہم اس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے جملہ اغراض و مقاصد میں امن و سلامتی کی فکر کو اہم مقام حاصل ہے۔ بلکہ قرآن واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ اسلام کی پیروی اختیار کرنے کا متوقع نتیجہ یہ ہے کہ آدمی کو سلامتی اور نور حق کی ہدایت حاصل ہو۔" (ص:۱۴)

"اسلام میں امن و سلامتی کی بنیادیں" کے بارے میں صاحب کتاب لکھتے ہیں:

"سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، باوجود اس کے ان کی زبانیں اور نام و نسب اور وطن الگ الگ ہیں۔ ان کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں عفو و درگذر اور رواداری سے کام اور لوگوں کی بدسلوکیوں کا بدلہ احسان و حسن سلوک سے دینا مکارم اخلاق میں سے ہے۔ ہر وہ کام جس کے سبب سینوں میں آگ بھڑکتی ہے یا لوگوں کے درمیان عداوت و نفرت پیدا ہوتی ہے ان کا ارتکاب کسی مومن کے لیے جائز نہیں ہے۔ مثلاً: غیبت، چغل خوری، تجسس، استہزا اور بدگمانی وغیرہ۔"

اس کے آخر میں لکھتے ہیں:

"لیکن اسلام کی نظر میں صرف امن کی دعوت دینے سے امن قائم نہیں ہوگا۔ اسلام کی نظر میں قیام امن کے لیے افراد اور جماعتوں کی تربیت اور ان کے لیے ضابطہ بندی نہایت ضروری ہے۔ اس طرح لوگوں کے دلوں میں امن و سلامتی کی اہمیت جاگزیں ہوگی اور ان کے اخلاق و طبائع میں جذبہ امن اس طرح جاری و ساری ہوگا جیسے ان کے رگوں میں خون دوڑتا ہے۔" (ص:۲۰)

"قیام امن کے لیے داخلی نظام" کے سلسلے میں مصنف لکھتے ہیں:

"(۱) اسلام سب سے پہلے فرد کے نفس کی اصلاح کرتا ہے تاکہ اللہ کے احکام و اوامر کی تابع داری میں ہر وقت لگا رہے اور لوگوں سے بے لوث محبت کرے، ان کی خوشی یا غمی میں شریک رہے۔

(۲) اسلام محبت و مودت کی بنیاد پر ایک ایسا خاندانی نظام قائم کرتا ہے جس کے اندر نفس انسانی کو سکون ملتا ہے۔ ہر فرد ایک دوسرے سے مامون و محفوظ رہتا ہے۔ اس خاندانی نظام میں نہ شوہر من مانی کرتا ہے اور نہ بیوی کو ذلیل و حقیر سمجھا جاتا ہے۔

(۳) اسلام معاشرے کی بنیاد علم پر رکھتا ہے۔ ایسا علم جس سے عقل والوں کو روشنی ملتی ہو۔

(۴) اسلام معاشرے میں ایک ایسی حکومت قائم کرتا ہے جو معاشرے کی خدمت گار ہوتی ہے، لوگوں کی رہنمائی کرتی ہے اور ان کی ہمہ جہت نگرانی کرتی ہے۔"

"اسلام ایک ایسا نظام امن قائم کرتا ہے جو انسانی معاشرے کو جنگوں اور فتنوں کے عوامل

سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ ایسا کوئی رخنہ نہیں چھوڑتا ہے کہ جس سے کسی فتنے کو امت کے اندر در آنے کا موقع ملے اور شر و فساد کے لیے اس کے اعصاب پھڑ کنے لگیں اور نتیجتاً ملک کا امن و استقرار برباد ہو جائے۔" (ص:۲۸)

"قیام امن کے لیے خارجی نظام" کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں:

"ایک امن پسند امت تیار کرنے کے بعد اسلام نے مملکت کی حدود کے باہر بھی قیام امن کی دعوت دی ہے، جس کی درج ذیل بنیادیں ہیں:

(۱) دوسری تمام قوموں کے ساتھ ہمارے تعلقات کی اصل بنیاد صلح و سلامتی ہے۔

(۲) خارجی دنیا کے ساتھ ہماری امن کی پالیسی مثبت بنیادوں پر ہوگی اور یہ خالصتاً تعمیری ہوگی۔

(۳) باہر کی دنیا کے ساتھ باہمی تعاون کا ایک ایسا جامع معاہدہ ہوگا جس کے تحت دوسری اقوام کے عقائد، ان کی آزادی و خود مختاری، نیز ان کے احوال و اسباب اور ان کی عزت و وقار کا بھرپور احترام کیا جائے گا۔

(۴) باہر کی دنیا کے ساتھ ایسا پُر امن تعاون ہوگا کہ دوسری اقوام کے پاس جو علم و حکمت اور صنعت و حرفت ہے ان سے استفادہ کی بھرپور گنجائش ہوگی۔" (ص:۲۹ تا ۳۱)

"داخلی امن کی حفاظت کے لیے جنگ" کے سلسلے میں صاحب کتاب لکھتے ہیں:

"اسلام نے مسلم معاشرے کے چند متعین گروہوں کے خلاف سختی برتنے اور جنگ کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) نافرمانوں، سرکشوں، ڈاکوؤں اور امن سے کھلواڑ کرنے والوں سے نمٹنے کے لیے۔

(۲) سرکشوں اور ظالموں کا زور توڑنے کے لیے۔

(۳) سود خوروں اور محنت کشوں کی محنت اور فقرا کا استحصال کرنے والوں سے۔

(۴) غریبوں اور وسائل رزق سے محروم طبقات کے حقوق غصب کرنے والوں سے۔

(۵) انسان کے بنیادی حقوق جیسے جان و مال اور عزت پر دست درازی کرنے والوں سے، بلا وجہ کسی کی جان لینے والے کو قتل کیا جائے گا۔

(۶) ان لوگوں سے جو تعلیم کا نظم ہونے کے باوجود حصول علم سے دلچسپی نہیں لیتے اور ان سے بھی جو اپنے پڑوس میں بسنے والے جاہل لوگوں کو تعلیم نہیں دیتے۔" (ص:۳۲ تا ۳۵)

"اسلام میں نظام جنگ" کے تعلق سے مصنف صاحب لکھتے ہیں:

"(۱) جب امت مسلمہ کے سامنے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کسی قوم کے اندر اس کے خلاف ظلم و عدوان اور بد عہدی کے جذبات موج زن ہیں تو بلا تاخیر اپنے ممکنہ وسائل اور قوت کے ذریعہ دفاع کی تیاری میں لگ جاتی ہے۔

(۲) اگر دشمن ظلم و عدوان کی سوچ سے باز آجائے اور جنگ کا ارادہ ترک کر دے تو امت مسلمہ کے لیے اس وقت ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ بھی صلح کے لیے مائل ہو جائے بلکہ عملاً صلح کر لے۔

(۳) اگر دشمن آمادہ جنگ ہی ہو اور ظلم و تعدی سے باز نہ آرہا ہو تو پھر برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہوگی۔

(۴) جب جنگ چھڑ جائے تو یہ کوشش ہونی چاہیے کہ حتی الامکان اس کی تباہ کاریاں کم سے کم ہوں۔

(۵) جب معرکہ کارزار گرم ہو جائے تو ایسی صورت میں لڑنے والوں کو باطل قوت کے مقابلے میں ثبات قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور اللہ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

(۶) جب جنگ شروع ہو جائے تو دشمن سے نبرد آزما فوج کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دشمن فوج کے ساتھ اس کی یہ جنگ کمزوروں اور مظلوموں کی آزادی کے لیے ہے۔

(۷) گھمسان کے معرکے میں جو بھی گروپ آمادۂ صلح ہو جائیں تو ہمیں بھی دشمن کی جانب سے صلح کی پیش کش قبول کر لینی چاہیے خواہ ہم فتح یابی کے قریب ہی کیوں نہ پہنچ گئے ہوں۔

(۸) جب معرکہ ختم ہو جائے، دشمن مغلوب اور امت مسلمہ غالب ہو جائے تو مسلمانوں کو ان ساری بری حرکتوں سے باز رہنا ہے جو دوسری فاتح اقوام کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہاں نہ عزت و آبرو پر حملے ہوں گے، نہ شہروں اور آبادیوں کو تباہ و برباد کیا جائے گا، نہ مغلوب قوم کے مال و اسباب سلب کیے جائیں گے اور نہ شرفاء کی تذلیل کی جائے گی۔ بلکہ مغلوب قوم کے لوگوں کے عقیدہ و عمل کی اصلاح کی جائے گی۔ انہیں ہر طرح کی مذہبی آزادی دی جائے گی، ان کے درمیان

عدل وانصاف اور بھلائی کو عام کیا جائے گا۔

(۹) جہاں تک قیدیوں کا معاملہ ہے تو اسلام ان کو نامناسب سزا دینے یا ان کے جسم کا مثلہ کرنے کو ناجائز قرار دیتا ہے۔اسی طرح نہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ انھیں شدید بھوک اور فاقہ کشی سے دوچار کیا جائے ۔ اسلام تو قیدیوں کو کھانا کھلانے کو باعث اجروثواب قرار دیتا ہے۔

(۱۰) مسلمانوں کے لیے اسلام کی سخت تاکید ہے کہ وہ مغلوب اقوام کے عقائد، جان و مال اور ان کی عبادت گاہوں کا احترام کریں۔ حکومت انھیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کرے گی، انھیں مکمل طور پر شہری حقوق حاصل ہوں گے اور ان سے مطالبہ یہ ہوگا کہ وہ مخلصانہ طور پر حکومت کے وفادار رہیں ، وہ ایک معمولی رقم حکومت کو بطور جزیہ ادا کریں گے۔'' (ص:۴۱ تا ۴۹)

''جزیہ سے متعلق چند ضروری وضاحتیں'' کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''جزیہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد مختلف ناموں سے اقوام عالم میں رائج رہا ہے۔ اور یہ مغلوب اقوام انھیں ذلیل کرنے اور انھیں نفسیاتی لحاظ سے پست کرنے کے لیے لاگو کیا جاتا رہا ہے۔لیکن اسلام نے مغلوب اقوام پر جزیہ اس لیے لاگو کیا تاکہ ان کے عقائد، ان کے اموال اور عزت وناموس کی حفاظت کرے۔'' (ص:۵۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''تین طرح کے لوگوں سے الگ الگ مقدار میں جزیہ لیا جاتا تھا۔

(۱) جزیہ کی سب سے بڑی مقدار ۴۸ درہم اغنیا سے سالانہ لی جاتی تھی چاہے ان کے پاس کتنا ہی مال و دولت ہو۔

(۲) جزیہ کی اوسط مقدار ۲۴ درہم تھی یہ تاجروں اور کسانوں سے سالانہ لی جاتی تھی۔

(۳) جزیہ کی سب سے کم مقدار ۱۲ درہم تھی جو پیشہ ور عاملوں سے سالانہ لی جاتی تھی اگر وہ ہوتے تھے۔'' (ص:۵۱)

آگے لکھتے ہیں:

''اسلام سے پہلے مغلوبین پر ہر حال میں جزیہ لاگو کیا جاتا تھا لیکن اسلام میں ایسا کبھی نہیں ہوا بلکہ سربراہ مملکت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ چاہے تو سارے ذمیوں سے جزیہ ساقط کردے جیسا کہ ابوعبیدہؓ نے اردن میں سامرہ اور فلسطین کے عیسائیوں سے جزیہ ساقط کردیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ملک شہریار اور اس کی قوم سے جزیہ اس وجہ سے ساقط کردیا تھا کہ انھوں نے ان کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کرنے کا معاہدہ کرلیا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے ارمینیا کے باشندوں کو تین سال کے لیے جزیہ سے مستثنیٰ کردیا تھا۔'' (ص:۵۴)

کتاب کا اسلوب سادہ اور سلیس ہے۔جگہ جگہ قرآن و حدیث کے حوالے سے اس میں اور زیادہ سلاست پیدا ہوگئی ہے۔کتاب مختصر لیکن جامع ہے۔اسلام کا نظام جنگ وامن کیا ہے اسے بہت اچھے انداز میں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب (اسلام کا نظام امن وجنگ) کے مصنف ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی ہیں اور اس کا اردو ترجمہ مولانا عبدالعلیم فلاحی صاحب نے کیا ہے۔ یہ کتاب مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔اور یہ ۷۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

●●●

(بقیہ ص ۴۲ کا)

محکوم کے اِلہام سے اللہ بچائے
غارت گرِ اقوام ہے وہ صُورتِ چنگیز

تشریح:

لیکن یہ الہام اگر مردِ مومن کے بجائے کسی غلامانہ ذہنیت اور باطل نظریہ رکھنے والے شخص کو حاصل ہو جائے تو یہ سوائے فساد وظلم کے علاوہ کچھ نہیں دے گا۔جس طرح حکومت جیسی طاقت اگر چنگیز خان کے ہاتھ آجائے تو یہ صرف قوموں کے قتل عام باعث بنتی ہے،اسی طرح الہام جیسی شے اگر کسی محکوم کو مل جائے تو یہ قوموں میں فکروعمل کی گمراہی اور بے راہ روی کا ذریعہ بنتا ہے۔اس نکتۂ نظر سے چنگیزی حکومت اور محکوم کے الہام میں کوئی فرق نہیں ہے۔

●●●

آبگینوں پر توجہ دیں

ثمرہ یعقوب فلاحی

نسل انسانی کی بقاء اور اس کی مناسب تربیت وقت کی صنف نازک کہی جانے والی لیکن محبت و رحمت اور صبر و رضا کی پیکر کی تربیت پر منحصر ہے۔ وہ اقوام تباہ ہوگئیں جنہوں نے اس پہلو کو نظرانداز کیا اور اسے صرف جنسی تسکین کا ایک سامان سمجھا۔

دور حاضر کے جن فتنوں نے انسانی سماج کو اپنے لپیٹ میں لے رکھا ہے ان میں ایک بہت بڑا فتنہ بچوں اور بچیوں کے آزادانہ اختلاط کی غیر مشروط اجازت ہے۔ پھر اس کو آزادی کے نام پر فروغ دینے کے ساتھ ساتھ اس کی پشت پر فلسفہ کی موٹی دیواریں کھڑی کردی گئی ہیں جس نے صورتحال کو اور خطرناک و پیچیدہ بنادیا ہے۔

مسلم سماج اس وقت مذکورہ بالا فتنے کی شدید زد میں ہے۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ مادر پدر آزادی کے خلاف مورچہ سنبھالنے والے اس وقت صرف اہلِ اسلام ہیں۔ ورنہ دنیا بھر کے معاشرے اس کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہیں۔ لیکن وقتاً فوقتاً کچھ ایسے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں جو طبیعت میں ہیجان برپا کردیتے ہیں، خصوصاً اس وقت جب کوئی لڑکا یا لڑکی اپنے ایمان اور مسلم سماج کو چھوڑ کر کسی غیر کو اپنا ہم سفر بنا لیتی ہے۔ بھارت میں پہلے کی بنسبت مسلم لڑکیوں کے غیروں کے ساتھ جانے کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے جو کہ بہت ہی سنگین بات ہے۔ اس مضمون میں آگے ہم اس کی اہم وجوہات پر بات کریں گے کیونکہ مرض کی تشخیص کے بعد ہی علاج ممکن ہے۔

بین المذاہب شادیوں کے واقعات دیکھنے کے بعد لڑکیوں کے بھٹکنے کی درج ذیل وجوہات سمجھ میں آتی ہیں۔

(۱) ایمان و اسلام جیسی عظیم نعمت کا شعور نہ ہونا:

دنیا کی عظیم ترین نعمت ایمان اور دین اسلام ہے نیز دنیا کی عظیم ترین خوشی کا احساس مذکورہ بالا نعمت کے شعور سے جڑا ہوا ہے۔ ایمان و اسلام کی نعمت کا شعور فرعون وقت کے سامنے جادوگروں کو جرأت و شجاعت کی عظیم مثال بنادیتا ہے حالانکہ چند منٹ قبل وہ فرعون کے سب سے قریبی تھے۔ یہ شعور ایمان ہی تھا جس نے حضرت آسیہ کو فرعون کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اس کے عقائد اور مرضی کے برخلاف الہ واحد کی مرضی اختیار کرنے پر ثابت قدم رکھا اور رب سے جنت میں ٹھکانے کی دعا کی۔ جس قدر ایمانی شعور بیدار اور زندہ ہوگا اسی قدر اس کی حفاظت کی تیاری بھی ہوگی۔ بدقسمتی سے اس وقت مسلم سماج میں ایمانی اور اسلامی شعور بیشتر لوگوں کے نزدیک اس سطح تک ترجیح حاصل نہیں کر پا رہا ہے جس قدر اس کی ضرورت ہے۔ اس کے بالمقابل مادہ پرستی زیادہ غالب آگئی ہے۔ اپنی اسلامی شناخت کے تحفظ کے لیے قربانی کے جذبہ کو اس قدر سپورٹ نہیں مل رہا ہے جتنی کہ ضرورت ہے۔ بڑی آسانی سے اپنی جاب اور تعلیم کو بہانہ بنا کر اسلام کی بنیادی چیزوں سے مداہنت عام ہوتی جارہی ہے۔ یہ ایک فتنہ ہے جس کے خلاف محنت کی ضرورت ہے۔ ایک مسلمان کے لیے اس کا دین و ایمان سب سے اوپر ہونا چاہیے ورنہ پھر ہمارا شمار اللہ کے نافرمان بندوں میں ہوگا جس کا دنیوی اور اخروی انجام بہت بھیانک ہوگا۔

(۲) والدین کا غیر ذمہ دارانہ رویہ:

اولاد کے لیے والدین کی طرف سے سب

سے بڑا تحفہ ان کی اسلامی تربیت ہے۔ بچوں اور بچیوں کے لیے والدین سب سے بڑا نمونہ ہوتے ہیں اور ان کا گھران بچوں کے لیے سب سے پہلا مدرسہ ہوتا ہے۔ والدین اگر بچپن سے ہی بچوں کے دلوں میں ایمانی اور اسلامی بنیادوں کو مضبوط کرنے پر توجہ دیں تو پھر نئی نسل کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔ اس وقت والدین کی پوزیشن میں جو طبقہ ہے اس کے اوپر بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ نئے نئے فتنوں سے اور دنیا کے بدلتے حالات سے واقف ہوں اور ان کی روشنی میں اولاد کی تربیت پر خصوصی توجہ دیں۔ ایک بڑا طبقہ ایسا ہے جس کو حالات کی نزاکت کا احساس بالکل نہیں ہے۔ دراصل یہ وہ طبقہ ہے جو بیس پچیس سال پہلے کے معاشرے میں پلا بڑھا ہے جب انٹرنیٹ اور موبائل کی لعنت سے سماج محفوظ تھا۔ اس وقت ان کو پتہ ہی نہیں چل پا رہا ہے کہ وہ کس قدر اپنے بچوں کا نقصان کر رہے ہیں۔ جب وہ کسی حادثہ سے دوچار ہوتے ہیں تب ان کی آنکھیں کھلتی ہیں لیکن تب تک دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ ایک طرف تربیت سے بے توجہی تو دوسری طرف چھوٹی عمر میں موبائل کی شکل میں زہر تھما کر ہم انہیں تباہی کے راستے پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ بے توجہی اور غیر ذمہ داری کا احساس فرد کے ساتھ ساتھ سماج اور ملت کے لیے بھی بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے۔

(۳) مخلوط تعلیمی نظام:

جدید شیطانی عالمی نظام اپنے انسانیت سوز افکار و نظریات کے فروغ کے لیے تعلیمی نظام پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔ اس عالمی نظام کے تحت مخلوط نظام تعلیم کو روشن خیالی اور ترقی کا معیار سمجھا جاتا ہے جب کہ جداگانہ تعلیمی نظام کو پسماندگی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ عالمی سطح پر دونوں فکر میں شدید ٹکراؤ افغانستان میں طالبان حکومت اور عالمی بدمعاشوں کے درمیان چل رہی رسہ کشی کے تناظر میں بہت واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ طالبان جداگانہ تعلیمی نظام کے لیے مصر ہیں جب کہ عالمی شیطانی ادارے مخلوط نظام تعلیم پر مصر ہیں۔

بھارت میں بھی پورا تعلیمی نظام عالمی اداروں کی سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ 95 فیصد سے زائد ادارے مخلوط نظام تعلیم کے تحت چلتے ہیں۔ حالانکہ جداگانہ تعلیمی ادارے بنانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ملک میں کچھ ایسے ادارے بھی ہیں لیکن بہت کم ہیں۔ دوسری اقوام کو چھوڑ کر مسلمانوں کو دیکھا جائے تو ان کے یہاں مدارس کا پورا نظام موجود ہے لیکن الگ سے بچیوں کے لیے تعلیم کا انتظام اب جا کر توجہ حاصل کرسکا ہے۔ ورنہ تیس چالیس سال پہلے تک قابل ذکر بمشکل پورے ملک میں دس نسواں مدارس رہے ہوں گے۔ ان اداروں میں مسلمان بچیوں کی ایک قلیل تعداد تعلیم حاصل کرتی ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں میں جدید طرز پر اسکولوں کے قیام کا جذبہ پہلے کے مقابلے میں کافی بڑھا ہے لیکن جداگانہ جدید اسکولوں کے قیام کی جانب خاطر خواہ توجہ نہیں ہے۔ حالانکہ اسلامی نقطہ نظر سے مخلوط نظام تعلیم ایک فتنہ ہے۔ اس کے نقصان دہ اثرات صاف طور پر دیکھنے میں آرہے ہیں۔ آئے دن مسلم بچیاں غیروں کے ساتھ بھاگتی ہیں۔ اسی طرح کچھ غیر مسلم لڑکیاں مسلم لڑکوں کے ساتھ اپنا مستقبل جوڑ لیتی ہیں۔ جب ان کی وجوہات تلاش کی جاتی ہے تو ایک بڑی وجہ مخلوط نظام تعلیم نکل کر سامنے آتا ہے۔ اسکول اور یونیورسٹیوں کا مخلوط نظام تعلیم، دونوں جنسوں کی ایک دوسرے کے تئیں کشش اور جنسی تسکین کا درست طریقہ اختیار کرنے میں تاخیر انہیں تباہی کی دلدل میں پہنچا دیتی ہے۔

(۴) وقت پر شادی نہ ہونا:

نسل انسانی کے تسلسل اور زندگی کو پرامن بنائے رکھنے کے لیے اللہ رب العزت نے نکاح کے ذریعے مرد اور عورت کی زندگی کو ذمہ داری کی شکل دی۔ نکاح جنسی تسکین کا صرف ایک ذریعہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کے بہت بڑے مقاصد ہیں۔ نسل انسانی کے تمدن کو ترقی عطاء کرنے میں نکاح ایک بہت بڑا کردار ادا کرتا ہے۔ سب سے اہم چیز یہ کہ اس کے ذریعے احساس ذمہ داری پیدا ہوتی ہے جس سے سماج ترقی کرتا ہے۔

قرآنی اور نبوی ہدایات کا مجموعی طور پر مطالعہ کے بعد یہ بات نکل کر سامنے آتی ہے کہ نکاح میں جلدی کی جانی چاہیے۔ اس کو آسان کرنا چاہیے۔ اس کو ایک پاکیزہ عمل کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ لیکن مسلم سماج اس وقت نکاح میں تاخیر کی خطرناک لعنت کا شکار ہو رہا ہے۔ والدین کے نزدیک پچیس سال کی اولادیں بچے نظر آتے ہیں۔ اس وقت تعلیم کو بہانہ بنا کر تاخیر عام ہوتی جارہی ہے۔ اس تاخیر کے نتیجے میں چپکے

چٹکلے آشنائیاں بہت تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ جب اس طرح کی صورتحال سے سرپرست دوچار ہوتے ہیں تو اسی میں عافیت سمجھتے ہیں کہ آشنائی کو قانون شکل دے دی جائے۔ جولوگ اڑنے کی کوشش کرتے ہیں تو بیشتر ناکام ہی ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں، تاخیر کر کے ہم اپنی اولادوں کی تباہی کا نہ صرف سامان مہیا کرتے ہیں بلکہ انسانی تمدن اورنسل انسانی کو بھی نا قابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں۔

(۵)شادی سے پہلے موبائل ہاتھ میں آنا:

اس وقت بچوں اور بچیوں کی بے راہ روی اورغیروں کے ساتھ جانے کی بہت بڑی وجہ موبائل فون بن چکا ہے۔موبائل کے ذریعے سب سے پہلے مختلف ڈراموں اور سیریل کے ذریعے کچے ذہنوں میں کچھ کرداروں کو ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور پھر بچے اور بچیاں ان کرداروں کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کا خواب دیکھنے لگتی ہیں۔ایسے میں انٹرنیٹ کے ذریعے شیطانی جالوں میں پھنسنے کا عمل شروع ہوتا ہے جس کی پھر کوئی انتہا نہیں ہوتی۔مختلف سوشل سائٹس کے توسط سے آشنائی کا ایک ایسا سیلاب سامنے آتا ہے کہ پھر اس سے بچ پانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔والدین وقت سے پہلے اپنے بچوں کے ہاتھوں میں لاڈ و پیار کی وجہ سے نادانی میں زہر کا سامان دے کر خودکشی کا راستہ دکھا دیتے ہیں جس کا احساس پھر بہت دیر میں انہیں ہوتا ہے لیکن وقت نکل چکا ہوتا ہے۔

(۶)تعدد ازدواج کو معیوب سمجھنا:

احساس کمتری نے ہمیں جن چیزوں کو معیوب بنایا ہے ان میں سے ایک اہم چیز تعدد ازدواج ہے۔تعدد ازدواج کی بات ہوتے ہی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مرد ہوس کا پجاری ہے اور اسے صرف جنسی تلذذ سے مطلب ہے۔ حالانکہ تعدد ازدواج کی رخصت بہت سارے سماجی مسائل کا واحد حل ہے۔خاص طور پر معذور، بیوہ، عمر دراز خواتین کے لیے یہ ایک نعمت ہے نیز مردوں کے مقابلے میں خواتین کی اضافی تعداد کے لیے انسانی تمدن کی گاڑی کو باوقار انداز میں آگے بڑھانے کا سب سے بہتر حل ہے۔ برصغیر میں بدقسمتی سے ہندوانہ اثرات کی وجہ سے اس کو عملاً تقریباً حرام کے درجہ تک پہنچا دیا گیا ہے۔جب کہ ناجائز تعلقات کو بڑی آسانی سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

اس وقت بہت ساری وجوہات کی وجہ سے مناسب رشتوں کی تلاش ایک مشکل عمل بن چکا ہے۔رشتوں کی تلاش میں والدین اپنی بچیوں کی عمر ضائع کر دیتے ہیں۔اپنے اپنے بنائے ہوئے معیار پر اس قدر رشتوں کو پرکھا جاتا ہے کہ جیسے شادی دنیا کا مشکل ترین کام ہو۔نتیجے میں پھر وہ مسائل سامنے آتے ہیں جس سے خاندان بھی شرمسار ہوتا ہے اور آخرت بھی تباہ ہوتی ہے۔مرد کو اللہ نے اگر وسعت اور کشادگی عطاء کی ہے تو اسے تعدد ازدواج کی رخصت پر عمل کرنا چاہیے۔اس سلسلے میں اس کی ترجیحات میں وہ خواتین ہوں تو زیادہ بہتر ہوگا جو کسی مجبوری کی وجہ سے جوانی کی عمر گذار چکی ہوں تا کہ تعدد ازدواج کی رحمت کا پہلو ابھر کر سامنے آئے اور بے راہ روی پر قدغن لگائی جا سکے۔

مذکورہ بالا چند وجوہات کو سامنے رکھ کر فی الفور مناسب منصوبہ بندی بہت ضروری ہے ورنہ مسلم سماج خاندانی سطح پر تباہ ہوسکتا ہے۔ یہ تباہی نا قابل تلافی ہوگی۔خاندان کی مضبوطی میں ہی ملت کا عروج مضمر ہے۔

●●●

فارم نمبر چار(4) Form

مالک : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

وقفہ اشاعت : ماہانہ

مقام اشاعت: پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

☼☼☼

اسلام کے جاں نثار: حضرت ابو دجانہؓ

مرزا اسلم بیگ

دین اسلام کے لئے جان دینے والوں میں ایک بڑا نام حضرت ابو دجانہؓ کا ہے۔ان کا نام سماک ابن حرشہ تھا اور اسلام لانے سے پہلے وہ مدینہ کے قبیلے بنو خزرج کے ایک بہادر فرد تھے اور اسلام لانے کے بعد ان کی بہادری اور شجاعت اور بڑھ گئی۔

غزوہ بدر میں اللہ کے رسولؐ کے ساتھ تھے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی لیکن ابو دجانہؓ نے اس لڑائی میں یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔اس کی زندگی اور موت صرف اللہ کے لئے ہے۔

بدر کے دن مسلمانوں کی تلواریں کافروں کے لیے موت کا پیغام تھیں۔اسلام کے بڑے بڑے دشمن اس دن مارے گئے۔اللہ نے مسلمانوں کو کامیابی عطا کی۔اس کے بعد احد کی جنگ میں مسلمانوں پر جب مشکل وقت آیا تو حضرت ابو دجانہؓ بھی مسلمانوں کے ساتھ جہاد کے لیے حضورؐ کے ساتھ تھے۔کافروں کو بدر میں اپنی شکست پر بڑا غم اور غصہ تھا اور وہ اب اس کا بدلہ لینے آئے تھے۔مسلمانوں کو ہار جیت کی پرواہ نہ تھی۔وہ اللہ کے لئے لڑنے آئے تھے۔جنگ شروع ہونے سے پہلے اللہ کے رسولؐ نے تلوار نکالی اور فرمایا کون ہے جو مجھ سے یہ تلوار لے گا، حضرت زبیرؓ آگے بڑھے اور کہا اے اللہ کے رسول! میں،حضورؐ نے فرمایا کون اس تلوار کا حق ادا کرے گا۔اس مرتبہ حضرت ابو دجانہؓ آگے بڑھے اور کہا یارسول اللہ اس کا حق کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس سے کسی مسلمان کو نہ مارنا اور کافر سے نہ بھاگنا۔حضرت ابو دجانہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں اس کا حق ادا کروں گا،حضورؐ نے وہ تلوار حضرت ابو دجانہ کو دے دی۔

حضرت ابو دجانہؓ کا طریقہ تھا کہ جب سر پر سرخ رومال باندھ لیتے تو اکڑ کر چلتے تھے،لوگ سمجھ جاتے تھے کہ ابو دجانہؓ جان توڑ کر لڑیں گے۔احد میں بھی اللہ کے رسولؐ نے ان کو اس طرح تن کر چلتے دیکھا تو فرمایا یہ چال اللہ کو بہت ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے۔لڑائی شروع ہوئی تو حضرت ابو دجانہؓ دشمنوں میں گھس گئے اور خوب لڑے اور کافروں کو مارتے رہے۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص مسلمانوں پر جھپٹ رہا ہے۔تلوار اٹھائی کہ اس کا کام تمام کر دیں۔دیکھا تو وہ ابوسفیان کی بیوی ہند تھی۔ تلوار روک لی یہ کہہ کر کہ رسولؐ اللہ کی تلوار ہے، عورت پر کیسے چلے گی۔اللہ کے نبیؐ نے اپنے ساتھیوں کو ایسی ہی تربیت دی تھی۔لڑائی کا زور مسلمانوں کے حق میں تھا مشرکوں نے اپنا سامان چھوڑ کر بھاگنا شروع کر دیا۔مسلمانوں نے ان کا مال جمع کرنا شروع کر دیا۔اللہ کے رسولؐ نے جو تیرانداز پہاڑی کے اوپر مقرر کیے تھے وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر آگئے،مشرکوں نے جب یہ دیکھا تو وہ پلٹ آئے اور مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔

اس ہنگامے میں صرف چند جانثار رسولؐ اللہ کے پاس رہ گئے۔ان میں حضرت علیؓ،حضرت ابوبکرؓ،حضرت عمرؓ،حضرت ابوعبیدہؓ،حضرت سعد ابن العاصؓ،حضرت زبیرؓ،حضرت مصعبؓ اور حضرت ابو دجانہؓ تھے۔

مشرکوں نے حضور ﷺ کی طرف تیروں کی بارش کر دی، ان جانثاروں نے اللہ کے رسول کو

(بقیہ صفحہ ۲۷ پر)

اقبالیات

الہام اور آزادی

شارح: شیر خالد

****

{اس نظم میں علامہ اقبال نے الہام کے فیوض و برکات کو واضح کیا ہے جبکہ یہ الہام بندۂ آزاد (وہ انسان جو دنیا کی مادّی اور باطل نظریات کی غلامی سے آزاد ہو یعنی مردِ مومن) کو عطا ہو۔لیکن جب یہی الہام کسی مادّہ پرست اور باطل پرست کو حاصل ہو جائے تو وہ صرف فتنہ وفساد اور ظلم کا باعث بنتا ہے۔}

ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ اِلہام ہے
اس کی نگہ فکر و عمل کے لیے مہمیز

معنی: اِلہام: خدا کی طرف سے دل میں آئی ہوئی بات یا خیال، القا۔ نگہ: نگاہ کا مخفف، نظر۔ مہمیز: لوہے کا کانٹا جو سواروں کی ایڑی پر لگا ہوتا ہے اور اس سے گھوڑے کو ایڑ دیتے ہیں، (مجازاً) تحریک، ترغیب۔

تشریح: الہام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر خاص کرم ہے جو اللہ اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا کرتا ہے۔اگر الہام کی نعمت بندۂ حُر (مردِ مومن) کو عطا ہوتی ہے تو پوری انسانیت اس سے مستفید ہوتی ہے۔اس مردِ مومن کی نگاہ ہی فکر و عمل کو ترغیب و تحریک دینے اور اسے صحیح سمت لے جانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔جس مومن کی نگاہ کا یہ عالم ہو اسکی قوتِ بازو کا کیا عالم ہوگا۔اس بات کو علامہ نے یوں بھی واضح کیا ہے:

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اسکے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس کے نفَسِ گرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خاکِ چمنستاں شرر آمیز

معنی: شرر آمیز: جس میں چنگاری جیسی تاثیر ہو، حرارت سے بھری ہوئی۔

تشریح: ایسے مردِ مومن کے وجود سے ہر ایک مستفید ہوتا ہے۔اس کی سانس میں ہی اتنی حرارت ہوتی ہے کہ اس کی گرمی سے چمن کی خاک سے بھی شعلے نکلنے لگتے ہیں یعنی اس مردِ مومن کی صحبت میں رہنے والے عام انسانوں میں بھی فکر و عمل کا جوش و جذبہ اور غیرتِ ایمانی بلند سے بلند تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

شاہیں کی ادا ہوتی ہے بُلبل میں نمودار
کس درجہ بدل جاتے ہیں مُرغانِ سحَر خیز!

تشریح: بلبل ایک کمزور پرندہ ہے اور چمن کی محبت میں گرفتار یا اس کا غلام ہوتا ہے جو اسکی کمزوری کو مزید دو چند کر دیتا ہے، اس شعر میں بلبل سے کمزور اور غلام انسان مراد ہیں۔شاہین ایک آزاد پرندہ ہے جو چمن و پھول کی غلامی سے آزاد ہوتا ہے، آسمان کی بلندیوں میں پرواز کرتا ہے اور بلند پہاڑوں ہی پر اپنا گھونسلہ بناتا ہے۔شاہین آزادی، بلندی، طاقت اور شجاعت کا استعارہ ہے۔

دنیا کے کمزور اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والے انسان جب مردِ مومن کی صحبت میں آتے ہیں تو انکے شب و روز یکسر بدل جاتے ہیں، انکی غلامی آزادی میں، کمزوری قوت و شجاعت میں، اور پستی بلندی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اُس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے گداؤں کو شکوہِ جم و پرویز

معنی: گدا: فقیر، غریب۔ شکوہ: شان و شوکت۔ جم: ایران کے بادشاہ جمشید کا مخفف۔ پرویز: ایران کا مشہور بادشاہ، خسروِ ثانی۔

تشریح: اس مردِ خود آگاہ اور خدا مست کی صحبت میں رہنے والے کمزور اور فقیر انسانوں کے نہ صرف ایمان و اخلاق بلند ہوتے ہیں بلکہ وہ دنیاوی اعتبار سے بھی پستی سے ترقی و بلندی کی طرف بڑھتے ہیں۔چنانچہ مسلمانوں کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ کیسے بے سروسامانی کے باوجود مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ کو تہہ و بالا کر دیا، اور ان فقیر مسلمانوں کی شان و شوکت اور حکومت کے سامنے جمشید و خسرو پرویز کی بادشاہی بھی ہیچ تھی۔

(بقیہ صفحہ ۳۷ پر)

صفہ انٹرنیشنل ٹورس اکولہ، مہاراشٹر (انڈیا)

SUFFAH INTERNATIONAL TOURS, AKOLA (INDIA)

HAJ | UMRAH

PASSPORT | VISA

EMIGRATION

AIR TICKET

ہر ماہ گروپ
کی روانگی

SUFFAH INTERNATIONAL TOURS

SIDDIQUE TOWER, KHAN ABDUL GAFFAR MARG, TELIPURA, AKOLA (M.S)

KALEEM	UMAIR	OFFICE
+91 9823240030	+91 8888269229	+91 9823826261

NUKUSH - E - RAH

RNI Number : MAHURD/2018/7738
Postal Reg No: G/Akl Dn/258/2022-24

SHAHEEN
GROUP OF INSTITUTIONS

SHAHEEN GROUP OF INSTITUTION'S

SHAHEEN ACADEMY

NANDED

High Aspiration
Self Reliance
Clear Vision
SHAHEEN
A Foundation laid on a Solid Philosophy
Untiring Effort
Preference for Solitude

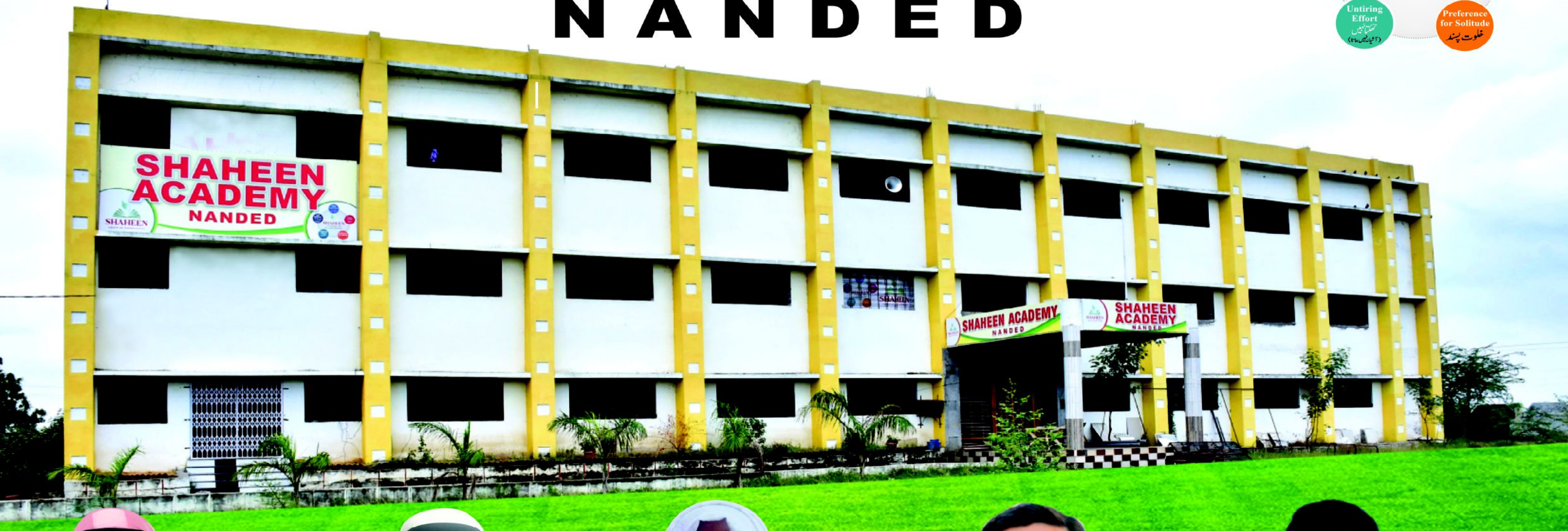

IRAM FATEMA
635

HAFSA BEGUM
605

TUBA AQSA
569

VEDANT AUSEKAR
566

MD. SHAHBAZ
518

MBBS	MBBS	MBBS	MBBS	MBBS
B.J. Medical College, PUNE	Govt. Medical College, NANDED	Govt. Medical College, NANDURBAR	L.T.M. Medical College, MUMBAI	Govt. Medical College, AKOLA

ADMISSION OPEN FOR 11th, 12th & NEET REPEATER

ADMISSION OPEN FOR 8th, 9th & 10th

With Foundation studies targeting
NTSE & Olympiad

Separate Classes for Boys & Girls With
Hostel Facility

Quality Education With Moral Values under one roof

Achiever IIT JEE
2 years Integrated 11th & 12th + JEE

Achiever Medical
2 years Integrated 11th & 12th + NEET

Intensive NEET
1 year long term batch exclusive for Repeaters

CAMPUS Hassapur, Waghi Road, Near Bypass, NANDED.

Mobile : 7758862972 / 7387420523

NUKUSH - E - RAH
1st Floor, Opp Basera Apartm
Subbash Chowk, Akola,444001
0724-2434333
nukusherah@gmail.com